جملہ حقوق محفوظ
سلسلہ مطبوعات عصمت نمبر
تصنیف
مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ
جسے
رازق الخیری ایڈیٹر عصمت و بنات نے
عصمت بک ایجنسی دہلی سے شائع کیا

A. R. K. K. Khan

مصوّرِ غم حضرت علّامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی تصنیف

تاریخ و سیرت

- آمنہ کا لال — عہ
- سیدہ کا لال — عہ ۱۲ر
- الزہرا — عہ
- نوبت پنج روزہ یا وداعِ ظفر — عہ
- وداعِ خاتون — ۵ر
- امین کا دم واپسیں — ۴ر
- دلی کی آخری بہار — عہ
- بزمِ رفتگاں (باتصویر) — ۱۰ر
- داستانِ پارینہ — ۱۴ر
- اُمت کی مائیں — ۱۲ر

مذہبی مضامین

- احکامِ نسواں — عہ
- محسنِ حقیقی — ۶ر
- دُعائیں — ۸ر
- قرآنی قصے — عہ
- زیورِ اسلام — عہ

نظموں کے مجموعے

- رودادِ قفس — ۱۲ر
- گرفتارِ قفس — ۴ر

سیاسی صحافی سیاحی مضامین

- شہیدِ مغرب — عہ
- یادگارِ تمدن — ۶ر
- عالمِ نسواں — ۸ر
- سیاحتِ ہند — عہ

اصلاحی معاشرتی ناول

- حیاتِ صالحہ — عہ
- منازلِ السائرہ مکمل — ۲ر
- صبحِ زندگی — عہ
- شامِ زندگی — عہ
- شبِ زندگی دو حصے — ۲ر
- نوحۂ زندگی — ۱۲ر
- طوفانِ حیات — عہ
- جوہرِ قدامت — عہ
- سمرنا کا چاند — عہ

اسلامی تاریخ بطرزِ ناول

- ماہِ عجم — عہ
- عروسِ کربلا — عہ
- یاسمینِ شام — عہ
- محبوبۂ خداوند — ۱۲ر
- تیغِ کمال — عہ
- شہنشاہ کا فیصلہ — ۴ر
- منظرِ طرابلس — ۵ر
- شاہین و دُرّاج — ۸ر
- دُرِّ شہوار — ۸ر
- آفتابِ دمشق — عہ
- اندلس کی شہزادی — ۸ر

حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی ان تصانیف کا اور دیگر مطبوعاتِ عصمت کی مفصل اشتہار فہرست کتب طلب فرما کر ملاحظہ کیجیے۔

مختصر افسانوں کے مجموعے

- جوہرِ عصمت — عہ
- سیلابِ اشک (باتصویر) — عہ
- طوفانِ اشک — عہ
- قطراتِ اشک — عہ
- خدائی راج (آخری افسانے) — عہ
- نسوانی زندگی — ۸ر
- گلدستۂ عید — ۸ر
- گوہرِ مقصود — ۶ر
- گردابِ حیات — عہ
- بساطِ حیات — ۶ر
- حور اور انسان — ۱۲ر
- نشیب و فراز — ۴ر

مضامین کے متفرق مجموعے

- عروسِ مشرق — ۱۰ر
- گدڑی میں لعل — عہ
- مسلمان عورت کے حقوق — ۱۲ر
- نالۂ زار — ۱۲ر
- بلبلِ بیمار — ۱۰ر
- ساجن موہنی — ۴ر
- شادی کا انتخاب — ۸ر
- فریبِ ہستی — ۶ر
- بے فکری کا آخری دن — ۴ر
- چمنستانِ مغرب — عہ
- بکھری ہوئی پتیاں — عہ

لڑکیوں کا نصاب زیرِ طبع

اصلاحی معاشرتی افسانے

- بنت الوقت
- سرابِ مغرب
- فسانۂ سعید
- سودائے نقد
- تمغۂ شیطانی
- سات روحوں کے اعمالنامے
- غدر کی ماری شہزادیاں
- ستونتی
- سنجوگ
- سوکن کا جلاپا
- مَوّودہ
- تفسیرِ عصمت
- انگوٹھی کا راز
- منازلِ ترقی
- بچہ کا کُرتہ
- وِیڈیا کی سرگذشت
- چہار عالم

مذاحیہ افسانے

- نانی عشّو
- وِلایتی ننھی
- دادا لال بُجھکڑ

ادبِ لطیف و انشا

- قلبِ حزیں
- لڑکیوں کی انشا
- مسلی ہوئی پتیاں

محصول ڈاک بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ عصمت بک ڈپو دہلی

محصول ڈاک بذمہ خریدار

وہ تو خدا بیچاری پھوپی کا بھلا کرے کہ اُس نے روزے نماز کے ساتھ تمام دنیا کی نشیب و
فراز اور شادی کا اصلی راز اچھی طرح بھتیجی کو سمجھا دیا تھا۔ ورنہ سعیدہ جیسی ساس کے ہاتھوں
نسیمہ کی وہ مٹی پلید ہوتی کہ شاید جان کے لالے پڑ جاتے۔

سسرال میں قدم دھرتے ہی نسیمہ کا پہلا کام یہ تھا کہ وہ شوہر کی عادت و
خصائل سے جس قدر جلد ممکن ہو کما حقہٗ واقف ہو جائے۔ چنانچہ اس ٹٹول میں اس کو زیادہ وقت
نہ لگا، مگر واقف ہو کر سب سے بڑی مشکل یہ پیش آئی کہ بعض باتوں میں دونوں میاں بیوی کے
مزاج میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ حالانکہ وہ شب و روز صرف اس کوشش میں سرگرم رہتی کہ
کہ جس طرح ممکن ہو میں میاں کی ہمخیال ہو جاؤں یا اس کو اپنے موافق بنا لوں تاکہ وہ آئے دن کے
جھگڑے جو عام گھروں میں برپا ہوتے ہیں اور جن کی بڑی وجہ اگر غور کیا جائے تو محض میاں بیوی کے
خیال کا اختلاف ہوتا ہے قطعاً نیست و نابود ہو جائیں مثلاً بیوی کو سرخ رنگ زیادہ پسند ہے۔
لیکن میاں کو اس سے قطعی نفرت، تو ظاہر ہے کہ بیوی رغبت کی وجہ سے اکثر اس رنگ کا استعمال
کرے گی۔ مگر بجائے اس کے کہ وہ لباس شوہر کو اچھا معلوم ہو زہر دکھائی دیگا۔ ایک بیوی ہے
کہ ہر وقت اپنے کسی عزیز کی تعریف میں مصروف ہے اور شوہر اس کو پسند نہیں کرتا لیکن اس خیال
سے کہ بیوی کو ناگوار نہ ہو اس کے سامنے کچھ کہتا بھی نہیں نتیجہ ظاہر ہے کہ یہی تذکرہ ناگوار ہوتے ہوتے
نفرت کی حد کو پہنچ جائیگا اور اس طرح شوہر کے دل میں یہ بیج پرورش پا کر ایک زمانہ میں خاصا
گھن دار درخت ہوگا اور یہ بیل کا بیل بڑھتے بڑھتے بچھڑا اور پھر سانڈ بنے گا۔ اس لئے بیویوں کا
پہلا فرض یہ ہونا چاہئے کہ شوہر کو اپنا ہمخیال کریں یا خود اُس کی ہمخیال ہوں اور کسی طرح خیال کے
اختلاف کا خاتمہ ہو۔ یہی تھا وہ اصول جس پر نسیمہ کی زندگی کا دارومدار تھا لیکن ایک بڑی
بڑی کھیر یہ تھی کہ بعض معاملات میں فریقین کے خیالات میں بُعد المشرقین تھا۔ نسیمہ نماز کی

ایسی پابند کہ موقع ملے تو تہجد و اشراق تک نہ چھوڑے قسلیم اس نام سے ایسا بیزار کہ بس چلے تو عید بقرعید کی بھی صاف اڑا جائے۔ اس میں البتہ نسیمہ کو کچھ سوچنا پڑا ہو گا ورنہ بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں ایسی تھیں کہ اس نے زبردست قربانی کی اور شوہر کو کچھ کہہ سکنے کا بھی موقع نہ دیا۔ وہ رنگین کپڑوں کی بچپن سے دلدادہ تھی مگر اتنا پتہ لگتے ہی کہ قسیم کو نفرت ہے۔ اس نے یک لخت سفید لباس اختیار کر لیا۔ حالانکہ چاروں طرف سے اس پر بوچھاڑ شروع ہو گئی بعض نے تو پھبتی کہہ دیا "بیٹی اتم کو وہم نہیں آتا ہے" قسیم زیور پسند نہ کرتا تھا۔ نسیمہ نے جہیز کا زیور تیسرے دن سے جو صندوقچہ کے سپرد کیا تو پھر پہننے کا نام نہ لیا۔ یہاں تک تو کام آسانی سے نکلا، مگر مذہب کے متعلق ٹٹولا تو میاں کو خدا سے کوسوں دور پایا خود لامذہب ہونے کے قابل نہیں میاں کو خدا دکھا دینے کے لائق نہیں رات دن سوچتی اور کچھ نہ کر سکتی کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ قسیم نے بیوی سے کوئی مشورہ کرنا چاہا مگر یہ دیکھ کر کہ وہ نماز پڑھ رہی ہے خاموش چلا گیا نسیمہ اس خاموشی پر خاموش نہ ہوئی بلکہ اس کو اندیشہ ہوا اور کچھ غلط بھی نہ ہوا کہ یہ خاموشی ایک دن رنگ لائے گی اور اگر اس کا علاج نہیں کرتی تو نہ معلوم یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے فکر میں تو وہ شروع ہی سے تھی مگر ہمت نہ پڑتی تھی کہ اس معاملہ پر شوہر سے گفتگو کرے۔ ایک دن دوپہر کے وقت کسی بات کا یقین دلانے کے لئے قسیم نے دوران گفتگو میں بیوی کے سامنے خدا کی قسم کھائی۔ بھلا اس سے اچھا موقع اور کون سا مل سکتا ہے۔ خدا کا نام مبارک کی زبان سے سنتے ہی نسیمہ سنبھل بیٹھی۔ دل کڑا کیا اور بسم اللہ کہہ کر پوچھا۔

"تم نے اپنی بات کا یقین دلانے کے لئے ایسا نام لیا کہ مجھ کو فوراً یقین آگیا۔ مگر اس نام کو ایسے موقعوں کے سوا کسی اور وقت بھی یاد کرتے ہو؟"

قسیم "میں مسلمان ہوں مسلمان باپ کی گود میں بڑھا مسلمان ماں کے دودھ سے پلا مسلمان گھر میں پرورش پائی مسلمانوں میں رہا سہا۔ بھلا پھر میں خدا کو کیوں نہ جانوں گا کیا تم مسلمان نہیں سمجھتیں؟"

نسیمہ" توبہ توبہ میں اس قسم کا فتویٰ دینے والی کون مگر میرے سوال کا جواب دو۔ ہنسی میں نہ ٹالو۔ بڑی مشکل سے تو ہاتھ آئے ہو۔ خدا کے جاننے اور ماننے کا ذکر نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسے ایسے موقعوں کے سوا اور بھی کبھی یاد کرتے ہو؟"

قسیم" ضرور کرتا ہوں"

نسیمہ" کب کس وقت۔ کس طرح؟"

قسیم" رات کو سوتی دفعہ اپنے دل میں"

نسیمہ" کس طرح کا جواب نہیں ملا"

قسیم" (ہنسکر) ملّانی جی تم تو جان ہی کو آگئیں۔ کہہ تو رہا ہوں۔ دل میں اس کی بزرگی اور عظمت کا اقرار کرتا ہوں"

نسیمہ" ہاں یوں کہو۔ پھر اس کی عظمت کا اقرار ہے تو اس کے احکام کی تعمیل سے انکار کیوں؟"

قسیم" دنیا کی ضرورتوں کی تکمیل اور تکمیل کی وجہ سے مجبوری۔ کچہری میں نماز نہیں پڑھ سکتا۔ دورہ میں روزہ نہیں رکھ سکتا۔ حج فرض نہیں ہوا۔ زکوٰۃ تم دے ہی دیتی ہو۔

نسیمہ" کچہری کی مجبوری اوّل تو مجبوری نہیں اور اگر بالفرض مان بھی لوں تو صبح اور عشاء تو گھر میں ادا ہوسکتی ہے۔ علاوہ ازیں اب اتنے روز سے جو چھٹی پر ہو۔ یہاں کونسی ضرورتوں کی تکمیل ہے"

قسیم" تم تو سر ہی ہوگئیں مطلب کہو کیا چاہتی ہو۔ اچھا میں کل سے نماز پڑھا کروں گا"

نسیمہ" نہیں ایسی نماز کی ضرورت نہیں۔ میں تم سے مفصل بحث کرنی چاہتی ہوں بیچ بھی ایسی تدبیر بتادو کہ میں اس سے چھٹی پاؤں"

قسیم" واہ یہ خوب کہی! فرض ہے۔ میں کسی طرح چھٹی دلا سکتا ہوں"

نسیمہ" سبحان اللہ! میرے لئے فرض تمھارے مجبوری"

دونوں میاں بیوی اس فقرے پر دیر تک ہنستے رہے۔ اور سلسلہ کلام چند لمحے

کے واسطے منقطع ہوگیا۔ قسیمہ سمجھا "رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت" چھٹکارا ہوا مگر نسیمہ کیا چھوڑنے والی تھی۔ اُس نے کہا۔

میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم خدا کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہو اور جو کچھ کہنا ہے شاید مجھے وہ کہنے کا حق حاصل نہیں مگر اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ زبانی اور عملی یقین میں آسمان اور زمین کا فرق ہے زبانی یقین میں اس کی عظمت کا خیال صرف رات کو آتا ہے عملی یقین میں اس کا خوف ہر وقت غالب رہے گا اور یہی یقین اُن تمام خیالاتِ فاسد کو جو دل میں پیدا ہوں گے جڑ سے اکھاڑ دے گا۔ صرف مذہب ہی ہے وہ شے جو انسان کو بری باتوں سے روکے اور محض ہستی باری تعالیٰ کا یقین کامل ہی ہے وہ علاج جو جھوٹ، حسد، کینہ، بغض، وغیرہ امراض میں تیر بہدف ہو تو تم دن میں دو مرتبہ نہاتے ہو۔ وضو کے واسطے کپڑے اُتارنے کی ہمیشہ ضرورت نہیں کہ کالر، ٹائی، کف وغیرہ خراب ہوں۔ اخبار دیکھتے ہو۔ کتابیں پڑھتے ہو، ٹینس کھیلتے ہو۔ اگر تھوڑی دیر ادھر متوجہ ہو جاؤ کیا خرابی ہے۔ اگر یہ خیال غلط ہے جو یقیناً غلط ہے کہ حشر و نشر دوزخ وغیرہ کچھ نہیں تو ہمارا کیا بگڑا؟ بہرحال دنیا میں بہت سی خرابیوں سے بچے، اور اگر یہ خیال ٹھیک ہے تو پھر فرمایئے اس وقت کیا گذرے گی۔ رات دن بہت سی کتابیں پڑھتے ہو کبھی اس سچی کتاب کو بھی غور سے دیکھو۔ میں اس لئے نہیں کہتی کہ محض عقیدتاً بلکہ باعتبار ادب سچ کہتی ہوں وہ لطف آئیگا۔ کہ تمام مصنفوں کو بھول جاؤ گے۔"

دونوں میاں بیوی آرام کرسیوں پر لیٹے تھے۔ اتنا کہہ کر نسیمہ سنبھلی اور کہنے لگی "لو غور سے سنو" آنکھیں بند کر کے اللہ کی بندی نے جو دو رکوع پڑھے ہیں تو قسیم سناٹے میں رہ گیا۔

خوش الحان عورت، قرأت سے واقف، کلام اللہ جیسی کتاب۔ ایک ایک حرف تیر کی طرح قسیمہ کے کلیجے میں گزر رہا تھا۔ اپنے افعال کو یاد کر کے اتنا رویا کہ ہچکی بندھ گئی۔ نسیمہ

ختم کر چکی تو وہ بیساختہ اُٹھا اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور کہا "میں آج سے تمہارا مرید ہوتا ہوں۔ اب انشاء اللہ نماز قضا نہ ہوگی"۔

نسیمہ نے شوہر کا ہاتھ سر پر رکھ لیا اور کہا "کیا کہتے ہو میں تمہاری کنیز ہوں۔ خدا ہمارے ارادوں میں برکت اور وعدوں میں صداقت عطا فرمائے"۔

(۳)

ساس بہوؤں کے تعلقات ایک نسیمہ ہی کے ساتھ کیا تمام دُنیا میں مصیبت ہیں۔ نسیمہ کی ماں لاکھ پڑھی لکھی اور ہزار بزرگوں کی ملنے والی تھی مگر اس آگ سے وہ بھی محفوظ نہ رہ سکی بیٹے کو دیکھا تو وہ ساعت بساعت اور لحظہ بہ لحظہ بیوی کا مرید ہوتا چلا جا رہا ہے، بہو کو دیکھا تو وہ ہشاش بشاش بہتیرا ضبط کیا مگر تاب نہ لا سکی یا تو وہ رنگ تھا کہ مٹھائی کے ٹوکرے ترکاری کی چھبلیاں سب ماں کے آگے۔ یا یہ ڈھنگ ہوئے جو کچھ دونوں میاں بیوی نے ہاتھ اُٹھا کر بھیج دیا وہ لینا پڑا۔ المختصر اختیار میں آیا فرق، وقار میں ہوئی کمی، بہو کے لانے کی خوشی تو درکنار الٹا بیر پڑ گیا۔ دیکھ دیکھ کر انگاروں پر لوٹتی۔ مگر سمجھدار عورت، زمانے برتے ہوئے، سینکڑوں ساسیں اور ہزاروں بہوئیں دیکھے ہوئے، خاموش رہتی، اور اُف نہ کرتی۔

نسیمہ ناتجربہ کار، کم عمر، بھولی، سیدھی کچھ بھی تھی مگر دودھ پیتی بچہ نہ تھی، سودائی نہ تھی۔ سڑن نہ تھی۔ ساس کے تیور صاف پہچان گئی۔ یا تو وہ شور اشوری کہ دن بھر نندوں کا "بھابی جان" "بھابی جان" کہتے منہ خشک ہو رہا ہے۔ دیور ہیں کہ دن رات بھاوج کی گود میں گھسے ہوئے ہیں۔ یا یہ بے کلی کہ گئی گئی گھنٹے نسیمہ اکیلی کمرے میں گھٹی بیٹھی ہے کوئی آکر جھانکتے تک نہیں، چار دن چالوں تک تو ساس کی یہ عنایت و مہربانی کہ چوتھے چالے میں بہو کا ذرا پنڈا اچھا کہ سُنا تو دو دفعہ ماما کو بھیجا اور دس بجے رات کے ڈولی کر، خود دیکھنے پہنچیں۔ مگر چالوں کے ختم ہوتے ہی وہ شفقت وہ محبت ختم ہو گئی۔ اکیلی کو پوچھنا گناہ، بیمار کو دیکھنا حرام پھر بھی اپنی طرف سے نسیمہ بہت کچھ لگی لپٹی رہی، جو معمول اوّل دن سے مقرر تھا اس میں فرق نہ آنے دیا۔

علی الصباح اٹھی، پانی گرم کیا، نماز و تلاوت سے فارغ ہوئی اور ساس کے سلام کو حاضر ہوئی۔ دوپہر کو اُدھر میاں کچہری گیا اِدھر کھا پی سینا پرونا لے، ساس کے پاس آ بیٹھی۔ دیور وں کے کپڑے سیے۔ نندوں کا سر دھلایا۔ غرض سعادتمند بہو کے جو کام ہوتے ہیں وہ کرنے اور شریف بیٹیوں سے جو توقع کی جاسکتی ہے وہ پوری کرتی مگر اُس بغض للہی کا کیا علاج کہ بہو سر سے کنواں کھودے اور ساس کی سمجھ میں نہ آئے۔

چھ مہینے کے قریب اسی طرح بسر ہو گئے اور نسیمہ کی چھٹی ختم ہونے آئی۔ کہنے کو تو پلول زیادہ دُور نہ تھا۔ ڈیڑھ پونے دو گھنٹے کا راستہ، مگر اس کا بس چلتا تو وہ دم بھر کو بھی بیوی کو آنکھ سے اوجھل نہ کرتا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اماں خود ہی اس کے متعلق کچھ انتظام کریں، مگر جب دیکھا کہ وہ کانوں میں تیل ڈالے بیٹھی ہیں اور جانے میں صرف دو روز رہ گئے تو مجبوراً خود ہی بیوی سے کہا کہ "اگر نامناسب نہ ہو تو تم بھی پلول کی سیر کر لو۔"

نسیمہ: "مجھے چلنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ مگر اماں جان سے پہلے صلاح کر لو۔ اگر وہ بھی تشریف لے چلیں تو بہت اچھا ہے۔"

قسیم: "مجھے اُمید نہیں کہ وہ چلیں۔ اگر تم مناسب سمجھتی ہو تو اپنے طور پر ذکر کرو۔"

نسیمہ: "فقط ذکر سے تو کام نہ چلے گا۔ پہلی مرتبہ کا چلنا ان کی بلا اجازت ٹھیک نہیں۔ اس مرحلے کو تو تم ہی طے کرو گے۔"

نسیمہ سسرال آنے سے پہلے ہی یہ خیالات اپنے ساتھ لائی تھی کہ شوہر کی رضامندی اگر زندگی کا عین مقصد ہے تو ساس کی دلجوئی کوئی گناہ۔ چھوٹوں پر شفقت، کوئی مصیبت، بڑوں کا ادب، کوئی غضب نہیں۔ اسی وجہ سے جہاں وہ شب و روز شوہر کے خیالات ٹٹولنے میں مصروف رہی وہاں ساس نندوں کا خوش رکھنا بھی پیش نظر رکھا۔ میاں کے عادات و اطوار سے تو وہ ایک پندرہ ہی روز میں اچھی طرح واقف ہو گئی۔ مگر ساس نندوں کا سودا کچھ ایسی ٹیڑھی کھیر تھا کہ چھ مہینے کی لگاتار محنت میں بھی کامیاب نہ ہو سکی

سچ یہ ہے کہ ہو بھی نہ سکتی۔ کون سی محنت تھی جو نہ کی، کیا خدمت تھی جو چھوڑ دی، اور کس قسم کی اطاعت تھی جس سے منہ پھیرا۔ دیوروں کی روٹی پکائی۔ نندوں کے کپڑے سیئے، ماماؤں کے طعنے سہے۔ ساس کے آگے آنکھیں بچھائیں، تندرست کا سر گوندھا، تھکی ہوئی کے پاؤں دبائے۔ بیمار کی دوا پیی۔ غرض اپنی طرف سے کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ مگر شرکت محبت جو اس تمام فساد کی جڑ ہے نہ کھو کھلی ہو سکتی تھی نہ یہ غصہ مٹ سکتا تھا۔)

بیوی کی گفتگو سنکر قیسلم نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ وہ خود ہی معاملہ کو ماں سے طے کرے۔ یوں تو وہ اکثر ماں کے پاس جاتا اور بیٹھتا۔ لیکن اس ضرورت کے پیش آتے ہی کچھ ایسی جھجک اس کے دل میں بیٹھی کہ کئی دفعہ قصد کیا مگر زبان نہ اٹھی۔ آخر جانے سے ایک روز قبل دل کڑا کیا اور نیچی آنکھیں کر اس طرح کہا۔

"میری چھٹی کل ختم ہے۔ وہاں مجھ کو کھانے پینے کی سخت تکلیف ہے نوکر کمبخت اتنا بے ایمان ہے کہ روپے کی جگہ چار لے کر بھی خوش نہیں ہو سکتا۔ اگر چند روز کے واسطے آپ تشریف لے چلیں تو بہت اچھا ہے"۔

ماں "بھلا بیٹا مجھے لیجانا ہوتا تو اب تک کبھی کا لے جاتے۔ جو صاف بات ہو وہ کہو۔ میں بہو کو روکنے والی کون۔ جاؤ شوق سے لے جاؤ مگر یاد رکھنا کہ بیویوں کو اتنا آزاد کرنا ٹھیک نہیں"۔

ماں کا جواب انوکھا یا ایسا نیا نہ تھا کہ قلسیم کو تعجب یا تشویش ہوتی۔ شادی کے چند ہی روز بعد سے وہ ان باتوں کا عادی ہو گیا تھا۔ سنکر خاموش ہو گیا اور بیوی سے آکر کہہ دیا "تم اسباب باندھ لو"۔

ابھی نسیمہ جانے کے متعلق فیصلہ نہ کر چکی تھی، مگر اس خیال سے کہ شاید جانا ہو جائے وہ آج ہی صبح ساس کو اطلاع دے۔ شوہر سے کہہ بیٹھی گی کہ سب مل جل لے انگنائی ہی میں تھی کہ پھوپی نے کہا "بیٹی تمہاری استانی پرسوں سے بہت بیمار ہیں۔ دیکھ

کا دن ہے۔ پھر ڈولی ملنے کی نہیں۔ تم اسی ڈولی میں پہلے اُن سے مل آؤ۔"

(۳)

اُستانی کی بیماری کا حال سنتے ہی نسیمہ بےچین ہوگئی اور اُلٹے پاؤں ڈولی میں بیٹھ سیدھی وہاں پہنچی۔ دیکھتی ہے تو اُستانی جی تن تنہا دبکی سکڑی، ایک پھٹے لحاف میں لپٹی، چھلنگے پر پڑی ہیں۔

کڑکڑاتے جاڑے تھے، مہاوٹ پڑ رہی تھی اور اُستانی جی شدّت بخار سے بیہوش پڑی تھیں۔ اُن کے افلاس کا حال تو نسیمہ کو پہلے ہی سے معلوم تھا مگر یہ خبر نہ تھی کہ ایسی بپتا آ پڑی۔

نسیمہ کیسی کٹر ساس کی بہو کیوں نہ ہو مگر پہلو میں ایسا دل لائی تھی جس میں ہمدردی کا دریا ہر وقت لہریں لے رہا تھا۔ اُستانی جی کو جاڑے پر جاڑا چڑھ رہا تھا اور بیری کی طرح تھرتھر کانپ رہی تھیں۔ دیکھتے ہی تڑپ اُٹھی۔ سر پر جہیز کی قیمتی رضائی تھی، اُڑھا کر چاروں طرف سے دبا بیٹھ گئی۔ سردی کم ہوئی تو اُستانی جی نے آنکھ کھولی۔ دیکھتی ہیں تو نسیمہ کی آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہیں بیٹھی پاؤں دبا رہی ہے۔ بیتاب ہوگئیں۔ لیٹے ہی لیٹے کلیجے سے لگا لیا۔ دعائیں دیں اور کہا۔

"نسیمہ پیاری! یہ رضائی مجھ بیمار کو کیوں اُڑھا دی"۔؟

نسیمہ "یہ رضائی کیا اگر میری کھال بھی آپ کے کام آئے تو مجھے فخر ہے۔ ڈولی تیار ہے۔ آپ ذرا میرے ساتھ ہسپتال تشریف لے چلیئے"۔

نسیمہ کی ساس کو ان بیچاری اُستانی سے پُرانی عداوت تھی ادھر تو یہ ہسپتال پہنچی، اُدھر سے وہ چھوٹی بیٹی کو لے کر آئیں۔ بہو کی رضائی بڑھیا اُستانی کے سر پر دیکھ آگ لگ گئی۔ سیائی ہو کر غصّہ میں ایسی دوانی ہوئیں کہ لڑکی کا دکھانا بھی بھول گئیں اور گھر پلٹیں قسیم غریب اپنا اسباب ٹھیک کر رہا تھا، آتے ہی اُس پر برس پڑیں۔

"جم جم ایسی بہوئیں آئیں جو ہمارے دشمنوں کو دوست بنائیں! غضب خدا کا

وہ شیطان کی خالہ امتہ جہیز کی اتنی بھاری رضائی اوڑھے پھرے۔ جب تم نے یہ ڈھیلی ڈوری چھوڑ دی تو آج بیوی کی رضائی گئی کل میاں کی اچکن جائے گی۔ بھلا کہیں بھی دنیا میں سنا ہے کہ میاں پردیس سدھارے اور بیوی سہیلیوں کے ساتھ باغوں میں سیر کرتی پھرتی ہیں"۔

قسیم ابھی جواب بھی نہ دینے پایا تھا کہ نسیمہ جا اتری۔ اتنا اس نے بھی دیکھا کہ بیوی گئی تھیں رضائی اوڑھے اور آئیں خالی ہاتھ۔ سر پر فقط دوپٹہ۔

جانے کا دن پہلے ہی کمزور ہو رہا تھا۔ ماں کے شور مچانے سے قسیم بھی لڑکھڑا گیا۔ نسیمہ ساس کو سلام کر اپنے کمرے میں آئی اور میاں نے پوچھا۔

"کہاں کہاں کی سیر کی؟ اتنی قیمتی رضائی استانی جی کو اڑھانے کی کیا ضرورت تھی، وہ تو ہماری قدیمی دشمن ہیں"۔

(۱) نسیمہ: "تمہارے سوا اور کسی کے ساتھ بھی سیر ہو سکتی ہے۔ استانی جی میری ماں سے زیادہ ہیں۔ انھوں نے مجھ کو پڑھایا لکھایا۔ حیوان سے انسان بنایا عقل کی باتیں بتائیں، زندگی کے اصول سکھائے، محنت کی، مصیبت اٹھائی، دونوں جان لڑائی راتوں دماغ کھپایا۔ گرمی کے لمبے دن، جاڑوں کی پہاڑ سی راتیں میری تعلیم پر برباد کیں۔ خدا نے جان دی انھوں نے ایمان دیا۔ ماں باپ نے دنیا دی۔ انھوں نے دین دیا۔ قدرت نے عمر دی۔ انھوں نے علم دیا۔ استانی جی نے جو میری رضائی کی محتاج تھیں اس فانی دنیا میں مدتوں راج کیا ہے۔ ان کی مصیبت عبرت کی تصویر ہے وہ خوش حال باپ کی بیٹی اور ایک رئیس اعظم کی وہ بیوہ ہیں جن کو قدرت نے زندگی کے چار پھول دے کر چھین لئے، اور خود جس کے آگے چار چار نوکر تھے، وہ ایک کھنڈر میں زندگی بسر کر رہی ہیں۔ کیا میرا ایمان یہی تھا کہ میں اپنے تندرست جسم کی حفاظت رضائی سے کروں اور خدا کی ایک مخلوق، میری محسن، جاڑے کے بخار میں میری آنکھوں کے سامنے کپکپاتی رہے۔ رضائی پھوپی اماں کے ہاں موجود ہے۔ مگر لحاف کے لئے پانچ روپے دے آئی ہوں تاکہ اس وقت

سے پہلے جب میں اپنے نرم اور گرم بچھونوں پر پڑوں اُن کے بدن پر لحاف پڑ جائے۔ وہ یقیناً تمھاری دوست ہیں ورنہ یہ شادی خانہ آبادی نہیں عمر بھر کی بربادی ہو جاتی۔ انھوں نے جب تمھارے عزیز مخالفت کر رہے تھے تمھاری حمایت لی اور پھوپی اماں کو رضامند کیا تاہم مجھے انکار نہیں اگر تم کہو تو میں اُن سے ملنا چھوڑ دوں لیکن میرا ہر رونگٹا آخر وقت تک ان کے احسانات کا اعتراف کرے گا۔ اور میں اُن کی خدمت سے کسی حال میں غافل نہ ہوں گی۔"

شمیم:"خیر غلط فہمی ہوئی معاف کرو۔ اب تم اپنا اسباب باندھو۔"

تسنیم:"اچھی بات ہے مگر آج اماجان ناخوش ہیں۔ ایسی حالت میں میرا جانا بہت نامناسب ہے۔ تم اس وقت بسم اللہ کرو۔ آپ کے پیچھے میں انشاء اللہ چلوں گی۔"

خوشی سے یا مجبوری سے مختصر یہ کہ شمیم رات کی گاڑی سے روانہ ہوئے۔ اور بہو ساس کی رضامندی میں مصروف ہوئی۔

(۴)

نسیمہ کی جٹھانی کلیمہ کی ماں تھی، تسنیم کی خالہ زاد بہن مگر عورت کیا آفت کا پرکالہ تھی جس نے ساس کو ناک چنے چبوا دیے۔ چھ برس کی بیاہی۔ چار بچوں کی ماں۔ کچھ ایسی بچہ بھی نہ تھی، مگر روزہ سے متنفر، نماز سے بیزار، علم سے بے بہرہ، جاہلوں کی سردار کلے میں زور، پنجے پر ساس، شیر کی طرح گھر بھر کو زیر کر رکھا تھا، ساس پاؤں کی جوتی، شوہر بے دام کا غلام۔ گھر پر حکومت کا ڈنکا بجاتی تھی تسنیم کے بڑے بھائی کا لڑکا فہیم جس کے ماں باپ سات مہینے کا چھوڑ کر مر گئے تھے اب پانچ سال کا گھر بھر کی جان تھا۔ اُس کی اتنی مجال نہ تھی کہ چچی کی طرف منہ کر لیتا۔ دادی اس بچے پر پروانہ تھیں، مگر مجھلی بہو جب آڑے ہاتھوں لیتی تو چپکی منہ تکتیں۔ خدا کی قدرت ایک روز علی الصباح کلیمہ اور فہیم دونوں بچے اٹھ باہر چلے گئے۔ اور سیٹھ کی ایک گولی پر لڑائی ہوئی تھی تو فہیم کی مگر کلیمہ جس نے ہلے ابھائی اور رونا کے زور سے پرورش پائی تھی۔ گولی جیب میں ڈال، لگا رونے اور چلانے۔ کلیمہ نے گھٹنی سے پڑا اٹھا

چھوٹے کی گود میں پروان چڑھا، حمایت کو باپ شد دینے کو ماں اڈرتی اس کی جوتی اور بیچ بولتا اس کا صدقہ۔ بیٹے کی آواز سنکریاں دوڑتی ہوئی دروازے پر آئی۔ بچہ نے وہ فیل مچائے کہ میل کا بیل بنا دیا کمبخت بلکتا رہا اور یہ کہتا رہا "میرے بیٹے میں فہیم نے لات ماری" کہاں کا رحم کدھر کا ڈر اور کیسا انصاف، سنگ دل عورت، یتیم فہیم کو گھسیٹتی ہوئی لائی، اور دروازے ہی میں ایک ایسا دھتڑ دیا کہ بلبلا اُٹھا۔ پانچ برس کی جان اس قصائی کے آگے سہما کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا۔

"چچی جان میں نے تو نہیں مارا"

کٹڑ چچی کیا رحم کرنے والی۔ دروازے ہی میں مارے طمانچوں کے منہ لال کر دیا۔ مارچکی تو دیوار میں ایسا دھکا دیا کہ بچہ لہولہان ہوگیا۔ خون کی تلّی ہونٹ سے بہہ رہی تھی خوف کے مارے کانپ رہا تھا، مگر آواز مطلق نہ نکلتی تھی۔ بن باپ کا بچہ جس کو اس وقت ظالم سے بچانے والا کوئی نہ تھا حسرت سے چچی کا منہ دیکھ رہا تھا۔ معصوم نگاہیں بےکسی کا ثبوت تھیں اور خون کا ہر قطرہ بےگناہی کا دعویٰ کر رہا تھا۔ اسی حالت میں ایک ہاتھ سے پکڑ کے اٹھا کر لائی اور ساس کے آگے یہ کہہ کر پٹخ دیا۔ "ذرا اس فتنے کی کارستانی دیکھو۔ وہاں بیٹھا دیوار سے سر پھوڑ رہا ہے کہ کوئی کچھ کہے نہیں۔"

پھول سا بچہ جس پر یہ چار چوٹ کی مار پڑی، اتنی دور کے پھینکنے سے بالکل بےہوش ہوگیا۔ دادی نے جلدی سے اٹھا کر گود میں لٹایا۔ نسیمہ پانی گرم کر کے منہ پونچھنے آئی بچہ ہوشیار ہوا تو ساس نے کہا۔

"منجھلی بہو! بن ماں باپ کے بچوں پر ایسا ظلم نہیں کرتے!"

منجھلی بہو: ذرا عقل سے کام لو۔ میں نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ اتنا بڑا الزام اٹھانا اچھا نہیں وہ تو بہانہ باز ہے۔ تم اس کے دھوکے میں آکر مجھ کو اتنی بڑی بات کہتی ہو۔ خیر میرا تمہارا انصاف خدا کے پاس ہے۔"

وہ ساس جو نسیمہ کی ایک رضائی پر اس قدر بپھری تھیں نا ہنجار بہو کے سامنے بالکل خاموش ہوگئیں۔ جانتی تھیں کہ زبان ہلانی بے سود ہے۔ اپنا وقر اپنے ہاتھ۔ نہ ایک کہوں گی نہ چار سنوں گی۔ اگر آدھی بات کہتی ہوں تو سات پشتیں پُن کر رکھ دے گی۔

ساس بہوؤں کے تعلقات پر کوئی خاص رائے قائم کرنی اتنی ہی مشکل ہے جتنی میاں بیوی کے خیالات پر۔ ہر جگہ کے حالات جُداگانہ ہیں۔ ہاں فسیمہ کی ماں سے ہم کو یہ شکایت ہوسکتی ہے کہ گو نسیمہ نے زندگی بھر ساس کو کبھی جواب تک نہ دیا لیکن جس قدر وہ منجھلی بہو سے محبّت کرتی تھیں اس سے چوتھائی بھی نسیمہ سے کرتیں وہ تو اس شان کی لڑکی اور اس آن بان کی بہو تھی کہ مرتے دم تک ساس کے پاؤں دھو کر پیتی اور منجھلی بہو سے بھی اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ ساس نے مرتے دم تک اس کو کبھی تکلیف نہ دی، لیکن اگر وہ نسیمہ سے آٹھواں حصّہ بھی ساس کی عظمت کرتی تو ساس اس کو سر آنکھوں پر بٹھاتی۔

جس طرح بیٹی کی وداع پر ماں باپ یہ سمجھ لیتے ہیں۔ اور صرف سمجھ ہی نہیں لیتے بلکہ متوقع ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میاں بیوی ایک جان دو قالب ہوں اور ہم سے کچھ زیادہ واسطہ نہ رہے۔ اسی طرح لڑکوں کی شادی کے وقت ماؤں کو یہ سمجھ لینا چاہئے اور سمجھ ہی لینا نہیں یقین کرلینا چاہئے کہ جو لڑکی اپنے تمام عزیز و اقارب اور گھر بار کو چھوڑ چھاڑ ہمارے ہاں آرہی ہے وہ کیا چاہتی ہے۔ اس کی اس قربانی کا عین مقصد کیا ہے۔ یہی نا کہ دونوں ایک ہوجائیں! پھر اس مقصد کی ابتدا ہماری ناخوشی کا باعث کیوں ہو۔ ہم کو اس کی تکمیل میں مدد دینی چاہئے تاکہ دونوں روحوں کی زندگی کا جو مقصود ہے وہ حاصل ہو۔

اسی طرح بہوؤں کو اچھی یہ مان لینا چاہئے کہ آج ہماری زندگی بہو کی حیثیت سے ہے۔ لیکن آرہا ہے وہ وقت جب ہمیں ساس بننا ہے اور آج ہم کو اپنی ساسوں سے وہی سلوک کرنا چاہئے جو کل ہم اپنی بہوؤں سے توقع رکھتے ہیں۔

فہیمہ ہوشیار ہوا تو بخار میں ہل ہلا رہا تھا۔ چوٹ دماغ پر کاری لگی۔ ہرچند

نسیمہ اس کو بہلا رہی تھی مگر چچی کا خوف اس قدر طاری تھا کہ چاروں طرف گھبرا کر دیکھتا اور پھر ڈر کے مارے منہ چھپا لیتا۔ اسی حالت میں نسیمہ اس کو ساتھ لے، اپنی پرانی سہیلی مس میرو جی کے پاس لائی جو مشہور ڈاکٹر تھی۔ میرو جی نے نہایت غور سے دیکھا۔ بخار شدت کا تھا اور بچے کے دل میں ایسا خوف بیٹھا تھا کہ اس کو ہر طرف وہی ظالم نظر آتی تھی۔ لیڈی ڈاکٹر نے صاف کہہ دیا کہ "دماغ پر چوٹ آئی ہے، نسخہ لکھو اور دوا پلاؤ۔ امید ہے کہ اچھا ہو جائے گا۔"

ڈولی میں بیٹھی تو نسیمہ نے فہیم کو کلیجے سے چمٹا لیا اور خیال آیا کہ آہ اے کمبخت دنیا تیرے جلوے کیسے سیمیائی ہیں۔ یہ یتیم معصوم جس کے سر سے دونوں شفیق ماں اور باپ کا سایہ اٹھ گیا ہرگز ایسی سزا کا مستحق نہ تھا کہ صاحب اولاد عورت کے ہاتھوں اس مصیبت میں گرفتار ہوتا۔ آج اس بدنصیب پر دادی کے سوا کوئی دو آنسو گرانے والا بھی نہیں ہے۔

ان ہی خیالات میں غلطاں و پیچاں گھر پہنچی۔ دوا پلائی اور بچے کو رضائی اڑھا گود میں لے بیٹھ گئی۔ دادی کی بھی پانچ برس کی محنت۔ سر بدلے کا سرا اور مرے ہوئے بیٹے کی نشانی آئیں، اس کا منہ کھولتیں۔ پیار کرتیں اور روتیں۔ مگر بڑھاپا تھا اپنے دھن ہو رہی تھیں۔ خدمت کے لائق نہ تیمارداری کے قابل۔

آدھی رات کا سنسان وقت تھا اور تمام گھر بے خبر پڑا سوتا تھا، صرف نسیمہ بچے کو گود میں لئے بیٹھی تھی اور دادی جانماز پر بیٹھی دعائیں مانگ رہی تھیں

دفعتہً بچے نے آنکھ کھولی۔ اس کی آنکھ کھولتے ہی دونوں کی جان میں جان آئی۔ برابر انگیٹھی پر دودھ رکھا تھا۔ چار چمچے دودھ کے نسیمہ نے پلا کے، ماتھے پر پیار کیا اور کہا "فہیم میاں کیسا جی ہے"؟

سنگدل چچی کی تصویر معصوم آنکھیں بھولی نہ تھیں سہم گیا اور ہاتھ جوڑ کر کہا:

"چچی جان میں نے نہیں مارا"

ایک تیر تھا جو نسیمہ کے کلیجے میں گھسا۔ یتیم کی بیگناہی پر تڑپ اٹھی منہ پر منہ رکھا اور کلیجے سے

لگا کر کہا

"نہیں نہ سہی۔ لو آنکھیں کھولو! دودھ اور پیو۔"

منہ پر منہ رکھے روتی رہی تو بچہ چونک پڑا آنکھیں کھولیں، نسیمہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اس نے پھر تتلاتی ہوئی زبان میں رک رک کر سہمے ہوئے کہا

"نہیں چچی جان میں نے نہیں مارا"

ساس بہوئیں ایک ایسی عورت کے لال پر رو رہی تھیں جس کی ہڈیاں بھی گل کر خاک ہوگئیں کہ بچہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ چاروں طرف دیکھا اور تیسری دفعہ اپنی بےگناہی کا اظہار کیا۔

"چچی جان میں نے نہیں مارا"

اس فقرے کے ساتھ ہی معصوم کو ایک ہچکی آئی اور رخصت ہوا۔

(۵)

قیاس چاہتا تھا کہ نسیمہ کی اس خدمت اور ہمدردی کا ساس پر کوئی خاص اثر ہوتا۔ مگر افسوس یہ توقع غلط تھی۔ ہوا مگر کم لیکن نسیمہ اس حالت میں بھی ہزار آفریں کی مستحق ہے کہ باوجود ساس کی احسان فراموشی کے وہ بدستور ان کی دلجوئی میں سرگرم رہی۔ اپنے ضروری کام کاج چھوڑ۔ دن کا بڑا حصہ ان کے ساتھ گذارتی اور اس خیال سے کہ رات کو عالم تنہائی میں بچہ کا خیال پریشان نہ کرے وہ بعض دفعہ آدھی آدھی رات تک ان کے پاس رہتی اور جب تک وہ سو نہ جاتیں نہ سرکتی۔

منجھلی سے جو درحقیقت اس تمام واقعہ کا باعث تھی۔ انھوں نے کبھی یہ بھی نہ پوچھا کہ تیرے منہ میں کے دانت ہیں۔ نہ پوچھا نہ پوچھ سکتی تھیں ہمت تھی نہ جرأت۔ ہاں نزلہ برعضو ضعیف۔ جب کبھی مزاج بگڑتا پریشان ہوتیں تو دبی دبے دسے کر ایک غریب نسیمہ ہی پر غصہ اتار لیتیں نسیمہ آخر انسان تھی بسا اوقات ناگوار گذرتا مگر جانتی تھی کہ ان کی حالت خود قابل رحم ہے۔ صدمہ نے رہی سہی اور بھی کمر توڑ دی ہے۔ یہ صبر و تحمل دین دنیا دونوں

کی فلاح کا باعث ہوگا۔

(۶)

ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ چند روز بعد عام دستور کے موافق نسیمہ کی ساس بچہ کا صدمہ بھول بسر جائیں گی مگر پانچ برس کی محنت تھی فہیم خود تو قبر میں جا سویا لیکن دادی کو زندہ درگور کر گیا۔ اُن کی کیفیت یہ ہوئی کہ لمحہ بھر کو بھی اس کا خیال نہ بھولتیں۔ دن رات روتیں اور دیوانوں کی طرح اِدھر اُدھر پھرتیں کبھی اِس کے کپڑے نکال کر پیار کرتیں کبھی اس کے کھلونے لاکر چومتیں۔ رات کو جب سب سو جاتے تو دروازے تک جا پہنچتیں۔ کنڈی کھول باہر نکل جاتیں۔ ماں کی حالت سُن ایک مہینے کے واسطے قسیم بھی آیا مگر بخار الیا ہاتھ دھو کر پیچھے پڑا کہ گھل گھل کر بڑی بی کا ہٹا کٹا جیسا ڈیل سوکھ کر کانٹا ہوگیا۔ روز بروز حالت ردّی ہوتی گئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ چلنے پھرنے سے بھی معذور ہوگئیں۔ اِس موقع پر نسیمہ نے ساس کی وہ خدمت کی کہ کنبہ اور عزیز تو درکنار محلہ اور جان پہچان بھی واہ واہ کرنے لگے

صبح کے وقت ایک روز بڑی بی نے نسیمہ کو اپنے پاس بُلایا۔ سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا" میری تقدیر میں تمھاری بہار دیکھنی نہ تھی مگر مجھے یقین ہے کہ تم دُنیا میں خوش و خرم رہوگی اور میں دعا کرتی ہوں کہ تم ہمیشہ شاد آباد رہو۔ مجھے افسوس ہے کہ تم جیسی بہو کی قدر نہ کرسکی اور اکثر خواہ مخواہ تمہاری فضیحتی کی لیکن میں اس وقت اِن سب عزیزوں کے روبرو تم سے اس کی معافی مانگتی ہوں۔ میرے دل میں جو ارمان تھے وہ دل کے دل میں رہے۔ موت سر پر آپہنچی، مگر سب سے زیادہ تم سے شرمسار چلی۔ تم بہو تھیں مگر بیٹیوں کی محبّت دل سے بھلا دی۔ تم جیسی عورت دُنیا میں ناخوش نہیں رہ سکتی۔ خوش نصیب تھی وہ ساس جس کو تم جیسی بہو ملی۔ اور بھاگوان ہوگا وہ گھر جس کی بیوی تم ہوگی۔ الٰہی دنیا کی بہاریں اور خوبیاں تمھارے واسطے اور جس طرح تم نے مجھ کو خوش رکھا اس طرح تم خوش رہو۔ میں اس گھر سے رخصت ہوتی ہوں۔ اب اس گھر کی گو عمر میں چھوٹی ہو۔ مگر بڑی بوڑھی تم ہی ہو یہ دونوں کنواری

بیٹیاں جو میرے پاس خدا کی امانت تھیں تمہارے سپرد کرتی ہوں۔ بیٹی بن باپ کی بچیاں ہیں، خطا کریں تو درگذر کرنا اور جس طرح آج تک میری عزت کی ہے، میری اس آخری درخواست کی لاج رکھنا۔ نسیمہ بیگم! میرا رواں رواں تم کو دعائیں دے رہا ہے۔ وداع کے وقت ماں اور پھوپی نے گلے لگایا ہوگا۔ اب میں اس دنیا سے وداع ہوتی ہوں۔ آؤ میرے کلیجے لگو اور میری دعا لو۔" الٰہ العالمین میری بیٹی سے بہتر بہو، جس نے ثابت کر دیا کہ واقعی بہوئیں بیٹیوں سے بہتر ہوتی ہیں۔ تیرے سپرد ہے معبود حقیقی! یہ دنیا میں پھلے پھولے اور جیسا مجھ کو خوش رکھا ایسے ہی یہ بھی دنیا میں راج کرے۔"

بڑی بی اتنا کہکر تھک گئیں۔ نسیمہ اور قسیم کیا سب کی آنکھوں میں آنسو جاری تھے اور آمین کی آوازیں آرہی تھیں۔ اسکے چوتھے پانچویں روز بڑی بی اپنے اصلی گھر رخصت ہوگئیں

(۷)

مرنے والی معمولی گری پڑی عورت تو تھی نہیں نواب غلام رسول خاں جاگیردار اسلام آباد کی بیٹی اور رسالدار میر اعتماد الدولہ کی بہو۔ خود بھی بہت معقول جائداد اور لڑکا نائب تحصیلدار اور پانچ ہزار کا زیور چھوڑا۔ موت کی خبر آناً فاناً تمام شہر میں پھیل گئی اور آنے جانے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ قسیم کہنے کو تو بی اے، پڑھا لکھا، نئی روشنی کا دلدادہ ترک رسوم پر آمادہ تھا، مگر وقت پر اتنا بودا نکلا کہ کوئی بیٹی بھی خیالات کی ایسی ہیٹی نہ ہوگی۔ پھولوں کا تخمینہ دو ہزار کا تھا۔ نسیمہ تجہیز و تکفین کے وقت تو خاموش رہی مگر اب اس نے میاں سے صاف کہہ دیا "یہ فضول صرف، حاصل دین نہ حاصل دنیا، کس کام کا؟ سوا اس کے کہ اُلفتے اور ہٹے کٹے اور موٹے تازے مفت کا کھانا اڑائیں۔ تم کو جو کچھ دینا ہے کسی مسجد، مدرسے یا یتیم خانے میں نقد بھیج دو۔ باقی پھولوں کی رسم بالکل فضول ہے۔ سب کو اطلاع دے دو کہ کچھ نہ ہوگا جب ہم پڑھے لکھے ہی ان رسموں میں پڑ کر اپنی جڑیں کھوکھلی کر دیں گے تو جاہلوں کا شمار کس گنتی میں رہا۔ ذرا مجھے بھی تو بتاؤ کہ تم نے

اِس میں کیا فائدہ سوچا۔ مُردے کے ثواب کے واسطے میں خود زندہ بیٹھی ہوں، جو ہوسکے گا پڑھوں گی اور پہنچاؤں گی غور کرو ابھی تمھارے آگے ایک چھوڑ دو بہنیں موجود ہیں اِن کو بھی آخر سنبھلنا ہے۔ اگر اِس وقت یہ پونجی ختم کردی تو اس وقت کس کے آگے بھیک مانگیں گے۔ اصلی غرض تو مُردے کا ثواب ہے اگر وہ حاصل ہو تو میں منع نہیں کرتی۔ چشم ما روشن دلِ ما شاد۔ لیکن یہ تو صرف نام نمود ہے اور کچھ نہیں۔ سینکڑوں اللہ کے بندے انھیں جھگڑوں میں اندھے بن کر تباہ ہوگئے۔ کیا تم کو نہیں معلوم کہ یہ رسم اصل میں ہندوستان میں ہندوؤں سے مسلمانوں نے لی ہے۔ ورنہ عرب میں جتنے آدمی میت کے گھر تعزیت کو جاتے ہیں وہ اپنا کھانا اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور خود صاحب خانہ کو اپنے ساتھ بٹھا کر زبردستی کھلاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے صدمہ میں اس لائق نہ ہوگا کہ گھر کے کھانے کا انتظام کرسکے۔ میرے تو اِن آنے والی بیویوں کو دیکھ کر ہوش اُڑے جاتے تھے۔ اِن کو تو خاصی اچھی عید ہوگئی تھی، پان، زردہ، چاول، شکر، دھڑلے سے اُڑائیں اور خواہ مخواہ منہ ڈھانک کر جھوٹ موٹ کے آنسو گرادیں۔ ایک یہ بھی میں نے عجیب بات دیکھی کہ بلا وجہ مرنے والی کا ذکر کرکے تکلیف پہنچانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ حالانکہ جو صدمہ ہم کو ہے وہ ظاہر ہے، اُن کے ابھارنے کا محتاج نہیں اور جس قدر اچھی وہ تھیں ہم خود جانتے ہیں اُن کی باتیں یاد کرنا اب ہمارے زخموں پر نمک چھڑکنا ہے۔ میری ایک سہیلی مس ڈین مجھ سے کہتی تھیں کہ ہمارے یہاں جب لوگ تعزیت کو آتے ہیں تو اُن میں سب سے زیادہ تعریف کا مستحق وہ ہوتا ہے جو صاحب خانہ کو ہنسا دے۔ میرے خیال میں تم کو جو کچھ دینا ہے۔ "انجمن اشاعت اسلام" میں بھیج دو۔ میں اپنے ہاتھ سے کھانا پکا دیتی ہوں تم لے کر جاؤ یتیم بچوں کو۔ رانڈوں کو اپاہجوں کو محتاجوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے سامنے کھلاؤ تاکہ اُن کو ثواب پہنچے۔ اور وہ بھی سمجھیں کہ دنیا میں ایسے لوگ چھوڑ کر آئی ہوں جو صرف جائداد اور مال ہی کے وارث بننے کو نہ تھے بلکہ پیچھے نیکی دینے والے تھے۔"

بیوی کی یہ تقریر خالی جانے والی نہ تھی قسیمہ کے دل میں گڑ گئی۔ اُس نے ایک ہزار روپیہ نقد مسجدوں، مدرسوں اور انجمنوں یتیم خانوں میں بھیجکر بریانی متنجن کو خاک میں ملا دیا اور بی نسیمہ کی بدولت اس رسم کا خاتمہ ہوا۔

(۸)

چھٹی ختم ہوتے ہی قسیمہ نوکری پر چلا گیا اور نسیمہ اس خدمت کے انجام دینے میں مصروف ہوئی جو ساس اس کے سپرد کر گئی تھیں۔ رابعہ اور ہاجرہ دو نندوں کی تربیت ایسی نہ تھی کہ نسیمہ کو دقت ہوتی، مگر خرابی آ کر یہ پڑی کہ رابعہ بڑی لڑکی منجھلی بھاوج کے بہکانے میں کھلم کھلا نسیمہ کی دشمنی پر کمر بستہ ہو گئی۔ نند بھاوجوں کا رشتہ ایسا ٹیڑھا ہوتا ہے کہ نسیمہ کو اس کی زیادہ پرواہ کرنے کی ضرورت نہ تھی اور اکثر عزیزوں یہاں تک کہ خود قسیمہ نے بھی یہی صلاح دی مگر ساس کی وصیت ایسی نہ تھی کہ نسیمہ محض اپنی نفسانیت کے مقابلہ میں اس کی وقعت نہ کرتی۔ اس نے میاں کو یہ کہہ کر ٹال دیا "اچھی بات ہے دیکھی جائے گی" مگر خود اسی فکر میں رہتی کہ کسی طرح رابعہ درست ہو جائے لیکن اس خالی خولی فکر سے ہوتا کیا تھا۔ اس پر منجھلی بھاوج کی عادات کا اتنا کافی اثر پڑ چکا تھا اور پڑ رہا تھا کہ نسیمہ کے چھپائے نہ چھپ سکتا تھا۔ نسیمہ لاکھ سعادتمند بہو اور شفیق بھاوج تھی مگر خودداری کا مرض اس کو بچپن سے تھا۔ زبان ملانا تو درکنار وہ ایسی ویسی بات کو سنتی اور ٹال دیتی نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی دن دونی رات چوگنی ہوتی گئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک دن جبکہ نسیمہ نے اپنی چند سہیلیوں کی دعوت کی رابعہ زبردستی کھانے کے انتظام میں گھس گئی۔ ہر چند نسیمہ کو اس کی ضرورت تھی نہ خواہش، مگر یہ بھی نہ ہو سکتا تھا کہ وہ نند کو ٹکڑا توڑ جواب دیتی اور کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانے دیتی پھر بھی اتنی ہوشیاری کی کہ اس کے تمام کام اپنی نگاہ میں رکھے مگر بشر تھی چوک گئی۔ کھانے کے بعد چاء کا وقت آیا تو ظالم نے کیا کمال کیا کہ طشتریوں میں بیسن رکھا اور پرسے کھانڈ برکا دی۔ پیتے ہی پیالیاں بھر بھر کے کھانڈ

ڈال رہی ہیں مگر چاء پھیکی ہوئی جا رہی ہے تکلّف کے مارے کوئی کچھ کہتی ہے نہ سُنتی
نسیمہ اصرار کرتی ہے تو ایک ایک چمچہ سب پی لیتی ہیں اور پھر ہاتھ رُک جاتا ہے۔ لڑکی
ہے کہ چوکھٹ میں کھڑی کھِل کھِل ہنسے جاتی ہے۔ نسیمہ بہتیرا غور کرتی ہے مگر سمجھ میں نہیں
آتا۔ مہمان بیویاں خود نادم ہیں اور کچھ کہہ نہیں سکتیں کہ یہ پھیکی چاء تو دیکھی نہ سُنی۔ ایک
دوسری کا منہ دیکھتی ہے اور چُپ ہو جاتی ہے۔ آخر نسیمہ خود اُٹھی نند کو منع کیا تو اُس
نے اور ٹھٹھے مارنے شروع کیے۔ پیالیوں کو دیکھتی ہے تو جوں کی توں مجبوراً خود چمچہ
بھر کر چاء چکھی تو کھانڈ کے بدلہ بیسن! کھانڈ کو دیکھتی ہے تو بیسن کے اوپر شکر کی تہہ بچھی ہوئی
ہے۔ غصّہ تو بہت آیا اور شرمندہ بھی خاصی ہوئی مگر کر کیا سکتی تھی۔ جلدی سے اور چاء
تیار کی۔ برتن صاف کیے اور شکر نکال کر سامنے رکھی تو سب نے چاء پی اور رخصت ہوئیں۔

(۹)

بات تو گئی گزری ہوئی مگر رابعہ کی اس حرکت کا نسیمہ کے دل پر ایسا اثر پڑا جو
کسی طرح زائل نہ ہوتا تھا وہ اچھی طرح دیکھ رہی تھی کہ رابعہ آٹھ سات برس کی بچہ نہیں
پندرہ چودہ برس کی لڑکی، چیرو چار، گیارہ و پانچ، ہاتھ سے نکلی جا رہی تھی۔ بولتی ہوں تو دونوں
نند بھاوجیں مجھ کو اُلٹا دیوانہ بنائیں گی نہیں بولتی تو لڑکی کے دین و دنیا دونوں برباد
ہوئے۔ اس سے تو بات نہ کرتی مگر اس کی حرکتوں پر گھنٹوں بیٹھی غور کرتی۔ علی الصباح
ایک روز نسیمہ بیٹھی ہاجرہ کا سر گوندھ رہی تھی کہ ماما نے آکر پھوپی کا ایک خط دیا جس میں لکھا تھا۔

برخورداری نسیمہ بیگم! کل میں رسالدارنی کی چھٹی میں گئی تھی وہیں تمہاری جٹھانی
اور رابعہ سے ملی میں نے سال بھر کے بعد رابعہ کو دیکھا تھا۔ دیکھ کر جی خوش ہوا
ماشاء اللہ خوب رنگ نکالا ہے۔ مگر رات کی اس کی حالت دیکھ کر تو ایک میں کیا تمام گھر
نے دانتوں میں انگلیاں دے لیں۔ غضب خدا کا خالہ نصیرا کی لڑکی کو اس بری
طرح دستر خوان پر جھڑکا ہے کہ سب سناٹے میں رہ گئے۔ اتنی عمر میری ہونے آئی

میں نے بھی کواریاں اور بیاہیاں ہزاروں ہی لڑکیاں دیکھیں، مگر کنواری بیٹیوں کو جھومر اور جھالے پہنے کہیں نہیں دیکھا۔ اور اگر خیر تمھارے ہاں کی یہ رسم ہے تو یہ تمکنت اور غرور کس خدا نے بتایا ہے کہ اس غریب کو برابر نہ بیٹھنے دیا۔ اسلام کا دسترخوان عام ہے زیور اور لباس کی کیا خصوصیت۔ دولت ہرتی پھرتی چھاؤں ہے۔ امیری کسی کی ذات اور افلاس کسی کا پیشہ نہیں۔ مجھے افسوس اس کا ہے کہ تمھاری تربیت اور یہ نتیجہ! ابھی اس وقت موجود تھی جب تمھاری ساس اللہ بخشے جنت کو سدھاری ہیں اور یہ بچیاں تمھارے سپرد ہوئیں بیٹی تم نے ساس کے قول کو خوب نباہا کیا تم کو اپنی پرورش یاد نہیں۔ ہم نے دکھ جھیل کر تم کو سکھ دیے ہیں۔ ابھی تو ابتدا ہے آگے چل کر کیا کرو گی۔ مرنا ہے اور ساس کو منہ دکھانا۔ اچھی لڑکی اٹھائی۔ دنیا میں تو خیر چاروں طرف کی بدنامی ہو گی مگر یتیم بچوں کی پرورش کا جواب خدا کے ہاں دینا آسان نہیں نسیمہ بیگم اس وقت کو سمجھو اور اس کے جواب کے لئے تیار ہو جاؤ جو ساس کی موجودگی میں دینا ہے بیٹی بڑا نازک وقت ہو گا۔ بڑے بڑے ایمان دار گھبرائے ہوئے ہونگے اور اچھے اچھے ایمن پریشان۔ یاد رکھو ابھی کچھ نہیں گیا۔ اس امانت کو اب بھی سنبھال لو ورنہ دین اور دنیا میں خمیازہ بھگتو گی۔"

پھوپی کا یہ خط پڑھتے ہی کاٹو تو نسیمہ کے بدن میں خون نہ تھا۔ آخر اس کے سوا کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی کہ مجبور نسیمہ نے شوہر کو خط لکھا جس کا ایک حصّہ یہ تھا۔

"ساس سسرے ہوں یا دیور جیٹھ۔ نند، بھاوجیں یا دیورانیاں، جٹھانیاں۔ یہ رشتے کچھ ایسے نازک ہوتے ہیں کہ بے وقوفوں میں خواہ مخواہ کا حسد پیدا ہو جاتا ہے۔ نند برباد ہوتی ہے تو بھاوج کی بلا سے اور ساس کو اذیت ہو تو اس کے صدقے سے۔ مگر نہیں کسی عزیز کی تباہی ہماری اپنی تباہی اور اس کی بربادی خود ہماری بربادی ہے۔ اپنے تو اپنے ہمارا فرض تو یہ ہے کہ ہم غیروں کی مصیبت پر آنسو بہائیں۔ نہ یہ کہ جان بوجھ کر

اپنے کلیجے کے ٹکڑے کنوئیں میں دھکیل دیں۔ میرا کمبخت دل تو ایسا ہے کہ میں پڑوسنوں کی مصیبت پر راتوں روتی ہوں اور یہی انسانیت کا سب سے بڑا جوہر ہے۔ ابّا جان کو مرے سال ہونے آیا۔ بُرا نہ ماننا۔ تم نے آج تک نہ پوچھا کہ یہ بدنصیب بہنیں کیا کر رہی ہیں اور کس طرح ان کی بسر ہو رہی ہے۔ عید پر ماشاء اللہ تم ڈیڑھ پونے دو سو کا کپڑا لائے۔ ہاجرہ تمھارا منہ دیکھ کر چپ ہو گئی۔ اگر ایک اوڑھنی کا کپڑا ان کمبختوں کا بھی لے آتے تو کیا مضائقہ تھا۔ مجھ سے جس طرح ہوا میں نے اس کا دل رکھ لیا۔ ایک نہیں میں نے اس کی چھ اوڑھنیاں بنا دیں مگر تمھاری بات تمھارے ہی ساتھ تھی۔ امّاں جان آج قبر میں سو رہی ہیں باپ کو انھوں نے آنکھ کھول کر دیکھا نہیں۔ اب لے دے کر اُن کے وارث جو کچھ ہو تم ہو۔ اُن سے نفرت کرو گے تو کلیجے سے کون لگائے گا۔ کیا اماں جان کے الفاظ تم کو یاد نہیں رہے؟ وہ اُن کا ہاتھ تمھارے ہاتھ میں دے گئی ہیں۔ بچاریاں سدا تمھارے در بیٹھنے والی نہیں چند روز کی مہمان ہیں۔ پھر یہ کہاں اور ہم کہاں۔ دُنیا نے اِن کے حوصلے مٹا دیے۔ ماں کی موت ان کی امنگوں کا خاتمہ کر گئی۔ ان کے نور ڈھے گئے۔ اُن کی ناز برداری ختم ہو گئی۔ اُنکی کمریں شکستہ اور اُن کے دل زہیر ہیں۔ مگر ان کی فریادیں اونچی اور اُن کی آہیں بلند ہیں۔ یہ غیر نہیں۔ ہمارے کلیجے کے ٹکڑے ہیں۔ اِن کی خوشی ہماری خوشی اور ان کا رنج ہمارا رنج ہے۔ میں تم سے اب بھی نہ کہتی۔ مگر کیا کروں۔ رابعہ کا ناس ہو رہا ہے۔ چُپ رہتی ہوں تو بہت جلد اس کی عادتیں کا طبیعت اور خیالات راسخ ہو جائیں گے۔ دنیا جانتی ہے کہ اس کی ذمّہ دار میں ہوں ناک میری کٹے گی خدا کے واسطے کچھ انتظام کرو۔ ابھی اصلاح پا جائیگی اور اگر زیادہ غفلت کی تو ٹھنڈے لوہے پیٹنے سے درست نہ ہوں گے۔"

بیوی کا خط پڑھتے ہی قسیم کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے۔

دوسرے روز ہفتہ تھا۔ اتوار کی اجازت لے کر آیا۔ اور بیوی کو دونوں بہنوں سمیت پلول لے گیا۔

(۱۰)

یہاں پہنچکر نسیمہ دیکھتی ہے تو گھر کا رنگ ہی کچھ اور ہے۔ نوکر نے تو وہ لُٹّس مچا رکھی ہے کہ الٰہی توبہ۔ اوّل تو تمام جنس بنیئے کے ہاں سے اُچاپت لاتا ہے۔ وہ بھی روز کے روز تیسرے دن ایک سارو پے کی لکڑیاں ختم ہو رہی ہیں۔ گھر کی حالت عجیب ہے۔ ایک میاں کے سونے کا نواڑی پلنگ تو خیر لیٹ رہنے کے قابل ہے۔ باقی جو ہے وہ جھلنگا۔ جہیز کی بڑی بڑی چاندنیاں جو نسیمہ نے ساتھ کر دی تھیں۔ اُن پر سالن کے چھینٹے۔ چوہوں نے کاٹ کاٹ کر ٹکڑے ڈال دیئے ہیں۔ غرض جدھر آنکھ اُٹھا کر دیکھتی ہے ایک طوفانِ بے تمیزی برپا ہے۔ میاں کے کچہری جاتے ہی اس نے میلے کپڑے پہن جو گھر میں جھاڑو دینی شروع کی تو ٹوکروں کیا چھکڑوں ہی کوڑا نکال کوٹھریاں اور دالان چندن کر دیا۔ اُجلا صاف شفاف بچھونا جو کیا تو دونوں دالان منہ سے بول اُٹھے۔ مٹکوں پر سیروں کائی جم رہی تھی اُن کو اُٹھا کر نئے مٹکے منگوا، اوپر سے قلعی دار کٹورے رکھے تو گھر کی شان ہی اور نکل آئی۔

باورچی خانہ کو دیکھتی ہے تو چولھے میں تو گنتی میں تین، مگر کسی کا بازو نہیں کسی کا اولاندارد۔ لگے ہاتھ ان کو بھی درست کیا اور میاں کے آنے سے پہلے گھر ٹھیک ٹھاک کر دُلہن بن بیٹھ گئی۔

قسیمہ کچہری سے آکر دیکھتا ہے تو اتنا بڑا گھر جو ہر وقت ڈھنڈار بنا رہتا تھا منہ سے بول رہا ہے۔ ہر چیز قرینے سے رکھی، سلیقہ سے سجی۔ بچھونے اُجلے۔ برتن صاف۔ دالان درست مگرے ٹھیک صحنچیوں کی یا تو یہ کیفیت تھی کہ طاقوں میں کبوتروں کے انڈے کمانچوں پر گلہری کا گھونسلا بالکل جھک ہو گئیں۔ نوکر اوّل تو قدیمی پھر بڈھا۔ اور اس پر طرّہ کہ باپ کے ساتھ کا کھیلا ہوا۔ اس کا یہ حال تھا کہ بہت بڑا کمال کیا تو الٹی سیدھی جھاڑو کبھی بھولے بسرے بہت مہربان ہوا تو دالان میں دے دیدی۔ وہ بھی جیسے بلّی نے پیچھے مارے کوڑا اٹھایا اور چبوترے پر ڈھیر کر دیا۔ جس گھر میں آٹھ آٹھ دن جھاڑو نہ ملے وہاں چھلکوں کے انبار۔ کوڑوں کے ڈھیر۔ خاک کے تودوں اور راکھ کے بچھونوں کے سوا ہو کیا سکتا تھا۔ قسیمہ کو بیوی کا

سلیقہ دیکھنے کا آج پہلا اتفاق نہ تھا مگر اپنے گھر کے اس انقلاب میں ملنے کا اوّل موقع ضرور تھا۔ بیوی کو دیکھا تو وہ بھی نہائی دھوئی قلعی دار پٹاری آگے رکھی، چھالیہ کتر رہی ہے۔ باغ باغ ہوگیا۔ نسیمہ ایک ماما اپنے ساتھ لائی تھی۔ قسیمہ نے کپڑے اتارے۔ اس نے دوڑ کر کھونٹی پر لٹکائے۔ چھوٹی بہن لپک کر چار لائی۔ بڑی تھی تو شریر مگر بھاوج کی تقریر نے چند ہی گھنٹوں میں پرچا لیا۔ ادھر قسیمہ چار سے فارغ ہوا۔ اُدھر وہ پان لے کر پہنچی قسیمہ پان کھا کر پلنگ پر لیٹا۔ بیوی عصر کی نماز پڑھ باورچی خانہ میں پہنچی۔ ماما نے آٹا گوندھا بیوی نے سالن بگھارا۔ چار پانچ آدمیوں کا کھانا ہی کیا۔ مغرب سے پہلے سادہ اور ترکاری دار دونوں سالن تیار تھے۔

(۱۱)

قسیمہ دن بھر کا تھکا ہارا۔ نیند کا رسیا۔ خراٹوں کا دھتیہ کھانا کھاتے ہی آرام میں پہنچا نسیمہ ، دونوں نندوں کو پڑھانے بیٹھی۔ پڑھا چکی تو ان کو اپنے اپنے بچھونوں پر سُلا کر خدا کے حضور میں حاضر ہوئی اور رو رو کر دعائیں مانگیں گڑگڑا گڑگڑا کر التجائیں کیں جہاں تک ہم کو معلوم ہوا ہے نسیمہ کی دعائیں ہمیشہ اپنے لئے کم اور دوسروں کے لئے زیادہ نکلیں۔ جاڑوں کی جو دعا عشاء کے بعد نند کو یاد کرائی وہ یہ تھی۔

"معبود حقیقی! رات اپنا ایک حصہ طے کر چکی۔ اچھی اور بُری تیری بہت سی مخلوق نرم گرم بچھونوں پر دن بھر کی تھکی ہاری تیری قدرت کے انتظام کو پورا کر رہی ہے"

✓ "الٰہ العالمین! اس وقت تیری ادنیٰ کنیز ھاجرہ تیرے حضور میں حاضر ہوئی ہے سچے آقا اس وقت میرا دیکھنے والا تیری پاک ذات کے سوا کوئی نہیں۔ اے دیکھنے والے! سننے والے! قبول کرنے والے مولا! ہمارے گناہوں کو معاف کر۔

احکم الحاکمین نامرادوں کے مراد۔ بے اولادوں کے اولاد۔ بہنوں کو بھائی۔ قیدیوں کو رہائی، بیماروں کو صحت، حاجتمندوں کو حاجت۔ تونگروں کو سخاوت، مفلسوں کو قناعت۔ اپنے ہوں یا غیر سب کی خیر۔ خالقِ بے نیاز گوشت کے لوتھڑے کو جان دی۔ جان کو ایمان دیا۔ رب العالمین زبان کو تاثیر۔ دعا کو اثر دے۔ رانڈوں پر رحم یتیموں پر کرم مسکینوں کو عطا۔ بیماروں کو شفا۔ حاکمِ حقیقی! دنیا کی بہاریں، عاقبت کی خوبیاں، دوست دشمن، عزیز واقارب سب کو دے۔ اے بادشاہوں کے بادشاہ! یہاں فلاح وبہبود دے۔ وہاں مقام محمود۔ سچے بادشاہ! دنیا نیند میں بےخبر ہوئی مگر تیرا دربار کھلا ہوا ہے۔ مجھ فقیرنی کی صدا خالی نہ پھیر۔ یتیم کی دعا عرش عظیم تک پہنچا۔ خالق الموجودات قبر کے عذاب سے۔ حشر کے جواب سے۔ دوزخ کے قہر سے۔ پُل صراط کے خوف سے، بچا۔ بچا۔ اے حافظ حقیقی بچا۔ مجھ کو بچا۔ میرے ماں باپ کو بچا۔ کُل مسلمانوں کو بچا۔"

(۱۳)

نسیمہ کو میاں کے ساتھ رہتے سال بھر سے زیادہ گزر گیا اور گو اس عرصہ میں اس کو وہ تمام باتیں حاصل ہوگئیں۔ جو شادی کے بعد ایک لڑکی کو ہونی چاہئیں۔ وہ اپنے گھر کی با اختیار ملکہ تھی۔ قسیم کی اتنی مجال نہ تھی کہ لمحہ بھر کو بھی بلا اجازت کہیں باہر جائے یا بیوی کے بغیر مشورے ایک پیسہ بھی خرچ کر سکے۔ مگر وہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ مرد کا اعتبار نہیں۔ میاں نے ابھی آنکھ کھول کر دیکھا ہی کیا ہے۔ دوست نہیں، آشنا نہیں۔ لاکھ طبیعت صاف اور دل پاک ہے، مگر اب تو ملّا کی دوڑ مسجد، کچہری یا گھر۔ یہی دو جگہیں ہیں اُٹھ لیں، بیٹھ لیں، ہاں موقعوں سے پرہیز اور اتفاقوں سے گریز کریں تو جانوں کہ محبت مستقل اور الفت پائیدار ہے۔ یہی ایک کھٹکا تھا جس کا دھڑکا اکثر نسیمہ کو لگا رہتا ورنہ اس کی زندگی کا یہ حصہ ایسا گزرا کہ خدا دنیا جہاں کی بیٹیوں کو نصیب کرے۔

✓ انسانیت کا سب سے بڑا جوہر ہمدردی جو نسیمہ اپنے ساتھ پھوپی کی طرف سے جہیز میں لائی تھی پلول بھی آکر چمکا گو قسیم نائب تحصیلدار معززاہلکار اور معقول تنخواہ دار تھا مگر سوا چند چپراسیوں یا عملہ والوں کے کوئی یہ بھی نہ جانتا تھا کہ اس گھر میں رہتا کون ہے ہاں کُتّے کے رات کو ایک آدھ فقیر کے کاٹنے سے اتنا تو سب کو معلوم ہوگیا تھا کہ اس گھر پر فقیر نہیں جاتا اور اسی نام سے یہ گھر محلّہ میں مشہور ہو چکا تھا مگر نسیمہ نے گھر میں قدم رکھتے ہی محلہ کی جانچ پڑتال شروع کی کہ کیسے کیسے لوگ کس کس گھر میں رہتے ہیں۔ اوّل تو وہ محلہ ہی غریبوں کا تھا دے کر کوئی مکان تھا تو میاں قسیم کا اور اگر خوش قسمتی سے دو ایک نمبردار اور زمیندار تھے بھی تو اِس سال کی طغیانی نے اُن کی امیری پر پانی پھیر دیا۔ جس گھر کو پوچھتی ہے فقیر اور جس بیوی سے ملتی ہے مصیبت زدہ۔ کڑکڑاتے جاڑے اور چلّہ کی سردی میں ایک دو نہیں پندرہ بیس گھر ایسے نکلے جہاں تن ڈھانکنے کو چیتھڑا تک نہ تھا۔ پھٹی ہوئی کئی سال کی ایک آدھ رضائی اور میاں بیوی بچے اسی میں لپٹ کر پڑ رہے اور رات بسر کر دی مشکل کیا ناممکن تھا کہ نسیمہ اس محلہ میں بے خبر رہتی یا باخبر ہو کر بے خبر ہو جاتی۔ اس نے پچاس لحاف تیار کرائے اور تقسیم کئے یہ ہی نہیں بلکہ دونوں وقت خود کھانا کھانے سے پہلے کئی گھروں میں کھانا بھیجتی۔ بہت سے بچّوں کو اپنے ہاں بلا کر کھلاتی اور جب اس طرح خدا کی دی ہوئی نعمت کا ایک حصہ خدا کے بندوں پر خرچ کر دیتی تو خود کھانا کھاتی۔

بن باپ کے بچّے اور بن ماؤں کی بچّیاں جن کے سر پر سوا خدا کی ذات کے کوئی والی وارث نہ تھا اور جن کو دو وقت بھی روٹی میسر نہ ہوتی تھی، قسیم کے کچہری جاتے ہی اس کے پاس پہنچ جاتے اور پیٹ بھر لیتے۔

صوبہ دار احمد علی خاں کی بڑی بیٹی شاید پچاس ذہم پر رہتی ہوں گی۔ اِس بدنصیب کے سر سے ماں اور باپ۔ شوہر اور بیٹے سب کا سایہ اُٹھ چکا تھا۔ دو لڑکیاں

چھوٹی اور ایک آٹھ برس کا لڑکا بے کر رانڈ ہوئی تھی۔ پانچ چار مہینے جو اثاثہ موجود تھا وہ کھایا جب رزق کے لالے پڑے تو لڑکے کو قسیمہ کے سپرد کیا یہ لڑکا ظہیر چلمیں بھرتا اور پیٹ پالتا۔ نسیمہ اس وقت ایک بچّہ کی ماں تھی جس روز چلّہ نہائی ہے اس روز کی دھوم دھام خاصی اچھی شادی سے کم نہ تھی۔ تمام عزیز و اقارب جمع ہوئے انواع اقسام کے کھانے پکے رہے اور رنگا رنگ کے طائفے رقص و سرود میں مصروف تھے قسیمہ نے حقّہ کے واسطے ظہیر کو آواز دی۔ بچّہ آٹھ برس کی جان لیا ہی گیا۔ صبح سے بھوکا تھا۔ ماں کے پاس روتا ہوا چلا گیا۔ مگر وہاں بھی اللہ کا نام تھا۔ آنسو پونچھ چلا تو قسیمہ نے اس کی غیر حاضری کو سخت قصور سمجھ کر پانچ بیتیں نہایت زور سے ماریں معصوم رو دھو پیٹ پٹا حقّہ بھر ایک کونے میں بیٹھا اپنے باپ کو یاد کرکے رونے لگا۔ قسیمہ نے پان منگوائے۔ کوٹھری میں گھستا تھا کہ چوکھٹ کی ٹھوکر لگی، اوندھے منہ گرا کتھے کا بھرا ہوا پیالہ پہلے سے گرا پڑا تھا۔ مگر رابعہ کم بخت نے جھٹ اس کا نام لے دیا۔ نسیمہ اٹھ کر دیکھتی ہے تو تمام چاندنی لت پت لاکھ رحم دل تھی مگر کچھ ایسا غصّہ آیا کہ ظہیر کا کان پکڑ کر چار پانچ تھپڑ دو ایک گھونسے رسید کئے۔ لڑکا اپنی بے گناہی کے متعلق ہر چند کوشش کرتا رہا مگر نسیمہ کو مطلق یقین نہ آیا۔

ظہیر کی ماں کیسی ہی مصیبت ماری کیوں نہ ہو مگر اصل نسل سیدانی اور انقلاب کی پوری تصویر تھی۔ نسیمہ کے آنے پر بھی اس نے مصیبتیں بھگتیں۔ ساری ساری رات بچّوں کے منہ میں اڑ کر کھیل کا دانہ نہ گیا۔ مگر نسیمہ کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا۔ مکان کا کرایہ بائیس روپے چڑھ گئے تھے۔ مالک مکان قرقی لے آیا۔ سیدانی ایک سپید چادر اوڑھے گھر سے باہر نکلی اور قسیمہ سے کہا "میرے گھر میں کچھ نہیں ہے باپ دادا کی لاج کو لئے بیٹھی ہوں۔ میں خود تمہارے حقّہ بھرنے والے لڑکے کی ماں ہوں۔ مگر ایک بڑے باپ کی بیٹی اور راہ اس تحصیلدار شوہر کی بدنام کرنے والی بیوہ ہوں جس کے جاننے اور دیکھنے والے

ابھی اس محلہ میں موجود ہیں! قرقی ہوئی تو ہماری آبرو خاک میں مل جائے گی۔ یہ میرے پاس انگوٹھی میرے شوہر کی امانت ہے یا اس کی جنت کی نشانی ہیں نے سخت سے سخت مصیبت میں بھی اس کو جدا نہ کیا۔ تحصیلدار صاحب! فاقوں نے میرے ہوش بگاڑ دیئے۔ یہ جاڑے کی سردی اور ٹھنڈی برفانی راتیں گودڑوں میں بیٹھ بیٹھ کر صبح کی ہیں مگر امانت کو کلیجہ سے لگا رکھا ہے۔ آپ مسلمان ہیں اتنا کرم کیجیئے کہ اس مکان دار کا قرضہ ادا ہو سکے تو لِلّٰہ مجھے اس مصیبت سے چھٹکارا دلوائیے"۔

سیدانی اتنا کہہ کر انگوٹھی دے روتی ہوئی اپنے گھر آگئی اور دونوں میاں بیوی نے اس انگوٹھے کو دیکھا تو پاسے کے سونے میں بیش قیمت ہیرا جگمگا رہا تھا۔ جوہری کو بھیجا اس نے چار سو روپے تخمینہ کیا۔ قسیمہ نے کرایہ دے انگوٹھی بیوی کو پہنا دی۔

رات کو کھانا دیتے دلاتے نسیمہ کو گیارہ بج گئے۔ ظہیر بھی کام کاج میں مصروف رہا۔ خدا معلوم دن کی دکان تھی یا غصہ، بھول گئی یا ارادۃً، مگر آج نسیمہ نے ظہیر کو کھانا نہ دیا۔ اور پلنگ پر جا لیٹی۔ ظہیر بھوکا تو کل شام سے تھا۔ آج متواتر ظہیر کا فاقہ اور کام کی کثرت بالکل ہی نڈھال ہو گیا۔ اوپر دیکھا تو آسمان دن بھر کے چھوٹے ہوئے تاروں کو گود میں لیے کھڑا تھا۔ باپ کی شفقت بھری گود یاد آئی اور فاقہ زدہ یتیم نسیمہ کی چوکی کے پاس زمین پر پڑ کر سو رہا۔

نسیمہ پلنگ پر لیٹی تو بجلی کا لیمپ دھڑ دھڑ جل رہا تھا اور انگوٹھی کے ہیرے کی جوت پڑ رہی تھی۔ سیدانی کی تقریر کا خیال آیا تو انقلاب کی خوفناک تصویر آنکھ کے سامنے تھی۔ اسی حالت میں آنکھ لگ گئی تو دیکھتی کیا ہے کہ باپ سامنے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے۔

"بیٹی! دنیا کے فانی جلوؤں پر پھول کر خدا کو بالکل بھول گئیں؟ نسیمہ غور کرو اور سوچو یہ انگوٹھی جس پر تم نازاں ہو۔ تم کو بہت بڑا سبق دے رہی ہے بیٹی! جس چیز نے اپنے مالک سے وفا نہ کی وہ تم سے کیا کرے گی۔ سیدانی کا اقبال تم سے بہت زیادہ

تھا۔ مگر آج زمانہ کی رفتار نے خاک میں ملا دیا۔ نسیمہ کس برتے پر یہ تمکنت اور کس بھروسہ پر یہ غرور، مصیبت کی ماری بہن نے تمہارے آگے ہاتھ پھیلایا۔ اور تمہارے در سے خالی گئی۔ تم نے اس سے وہ چیز لی جو اس کے عمر بھر کے رفیق کی یادگار تھی اور آج اٹھارہ مہینے بعد اس سے انگوٹھی جدا کر دی۔ کیوں نسیمہ کیا دنیا تم سے آنکھیں نہ پھیرے گی۔ آہ! نسیمہ! میری روح کانپ گئی، جب بے گناہ معصوم پر تمہاری چوٹ پڑی ہے کیوں نسیمہ تو من بریانی میں ایک چاول تقدیر کا نہ ہو تو سیدانی کے یتیم اور اس یتیم کا جو تمہاری دہلیز میں دن بھر تمہارا کام کرنے کے بعد چھ وقت کے فاقے سے پڑا ہے؟ نسیمہ بیگم! دنیا فانی ہے اور موت آنی۔ حساب برحق اور وعدہ حشر سچا۔ ڈرو خدا سے اور ایسے ظلم نہ کرو کہ ہماری روحیں لرز اٹھیں"۔

(۱۳)

نسیمہ جیسی طبیعت کی عورت جو ظلم تو بڑی چیز ہے ذرا سی کسی کی سختی بھی سن لے تو کانپ جائے۔ خواب میں باپ کی صورت دیکھتے ہی تھرا اٹھی۔ اس پر غصہ اور غصہ میں اتنے بڑے راز کا افشا!

چاہتی تھی کہ ــــ طرح باپ کے قدموں پر گر کر قصور معاف کرائے اور آیندہ کو توبہ کرے۔ مگر وہاں کیا رکھا تھا۔ آنکھ کھلی تو وہی ہیرے کی جوت اور لیمپ کی دھڑ دھڑ۔ وضو کیا۔ نماز پڑھی دیر تک سجدے میں پڑی روتی رہی۔ اٹھی ظہیر کو کلیجے سے لگایا۔ کھانا کھلایا۔ علی الصباح اس کی ماں کے پاس پہنچی۔ انگوٹھی واپس کی اور یہ معمول کر لیا کہ جب تک ظہیر کی ماں اور اس کے بچوں کو کھانا نہ کھلا لیتی خود ٹکڑا توڑنا حرام تھا۔

شوہر کی طرف سے کچھ اطمینان ہونے کے بعد اب نسیمہ کو سب سے بڑا فکر دو نندوں کا تھا، جو گھنٹوں اور گھڑیوں کہیں سے کہیں پہنچ رہی تھیں۔ بلکہ رابعہ تو شاید بھاوج سے ایک مٹھی آگے ہی نکل گئی تھی۔ عمر کی زیادہ۔ مزاج کی تیز تھے کی دلیر۔

دیدے کی دلیل۔ اس کا راہ راست پر لانا ہنسی کھیل نہ تھا۔ مگر خدا معلوم نسیمہ کی زبان میں کیا جادو اور تقریر میں کیا اثر تھا کہ جہاں اس نے کلام کیا اور آدمی رام ہوا۔ وہ خوب سمجھ گئی تھی کہ رابعہ غصہ اور خفگی سے بس میں آنیوالی نہیں۔ لاکھ عادتیں بگڑ چکی ہیں مگر پھر لڑکی ہے اور وہ بھی ناتجربہ کار۔ ابھی کچی لکڑی اور تھوڑی سی محنت کی محتاج ہے منت کی خوشامد کی بہلایا، پھسلایا۔ غرض جس طرح ہوا راستہ پر لے آئی۔ وہی رابعہ جو کبھی بھول کر بھی نماز کا نام نہ لیتی تھی ایک تین ہی مہینے میں ایسی نمازن ہوگئی کہ نسیمہ سے پہلے اٹھتی اور موذن کی اذان کے ساتھ نماز پڑھتی۔ یا یہ حال تھا کہ لکھنے سے بیزار۔ کتاب سے نفرت یا یہ کیفیت ہوئی کہ نسیمہ پڑھاتے پڑھاتے اکتا جاتی اور وہ پیچھا نہ چھوڑتی۔

ایک دن کسی ملا کی کتاب میں اس نے دیکھا کہ بھونچال کی کیفیت اس طرح لکھی تھی کہ زمین ایک گائے کے سر پر اور سر پر بھی نہیں سینگ پر دھری ہے جب وہ گائے تھک جاتی ہے اور دوسرا سینگ بدلنا چاہتی ہے تو ایک پھریری لے کر سارا بوجھ دوسرے سینگ پر لیتی ہے جس سے یہ بھونچال پیدا ہوتا ہے۔ رابعہ نہایت توجہ اور بلند آواز سے پڑھ رہی تھی۔ نسیمہ باورچی خانے میں تھی۔ مارے ہنسی کے لوٹ گئی۔ ضبط نہ ہوا تو باہر آئی اور ہنستے پوچھا "یہ کون سی کتاب ہے۔ کیا نام ہے؟"

رابعہ: "اسرار قدرت ہے۔"

نسیمہ: "کس عقلمند کی لکھی ہوئی ہے۔"

رابعہ: "کوئی مولوی عبدالعلی ہیں۔"

نسیمہ: "میں دیکھوں۔"

رابعہ: "لیجئے۔"

نسیمہ نے رابعہ سے لے دو ٹکڑے کر چولہے میں جھونک دی اور کہا۔

"ایسی لغو کتاب آئندہ کبھی نہ پڑھنا۔ میں اس روز تم سے اس کتاب کو پھکوا چکی

ہوں۔ جو مسان کے متعلق تھی۔ یہ حضرت اُن سے بھی بڑھ گئے۔ بھلا تمھاری بھی عقل ہے کہ تمام زمین ایک گائے کے سینگ پر رکھی ہوئی ہے؟ یہ تمام باتیں جاہلوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ لوگوں نے مولوی بن کر اِن فضول باتوں پر مذہب کا رنگ اس لئے چڑھا دیا ہے کہ بیچے بھی اِن جھوٹوں کے آگے روئیں۔ لو بھونچال کی کیفیت مجھ سے سنو!

تم نے اپنی عمر میں بہت سے پہاڑ دیکھے ہوں گے۔ جب ہم بمبئی سے آ رہے تھے تو رستے میں دور تک تم کو یاد ہوگا کہ یہ سلسلہ ختم ہی نہ ہوتا تھا۔ اسی قسم کے پہاڑ بعض وہ بھی ہوتے ہیں جن کو کوہ آتش فشاں کہتے ہیں۔ اِن میں گرم مادہ ہوتا ہے اور وہ گرم مادہ پگھلا کرتا ہے۔ تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ پتھروں کے رگڑنے سے بعض دفعہ آگ کا چمکارا پیدا ہوتا ہے۔ دور کیوں جاؤ بار ہا دیکھا ہوگا کہ گھوڑے کے نعل سے جب وہ زمین سے رگڑتا ہے آگ پیدا ہوتی ہے۔ اگلے زمانہ میں جب دیا سلائی وغیرہ کا رواج نہ تھا لوگ چقماق پتھر سے آگ نکال لیتے تھے۔ تو وہاں وہ آگ کا مادہ جو ان پہاڑوں میں پیدا ہوتا ہے بڑھتے بڑھتے اتنا ہو جاتا ہے کہ تمام پہاڑ پھٹتا ہے۔ یا اس مادہ میں جوش آتا ہے تو ہزاروں کوس دور اس کے پتھر جا کر پڑتے ہیں اس کی کیفیت بالکل ایسی ہی جیسے تمہاری پتیلی میں اُبال آجائے اصل میں اس کے اثر سے جو صدمہ زمین پر پہنچتا ہے اسی حرکت کو زلزلہ کہتے ہیں۔ یہ ضرور نہیں کہ بھونچال ایک وقت میں تمام دنیا پر آئے۔ ہاں جس قدر قریب ملک ایسے پہاڑ کے ہوتے ہیں اس کا اثر ہوتا ہے۔ اٹلی میں اس قسم کے پہاڑ بہت زیادہ ہیں۔ وہاں اکثر زلزلے آتے رہتے ہیں۔ ایک دفعہ تو دفعتہً ایسا پہاڑ اڑا کہ ہزاروں آدمی مر گئے۔ جس طرح چڑیاں آسمان پر اڑتی ہیں اسی طرح چاروں طرف پتھر اڑ اڑ کر خلقِ خدا پر برس رہے تھے۔ ہوا خدا سب کو ایسے وقت سے بچائے۔

اب تو تم سمجھ گئی ہوگی کہ بھونچال کیا چیز ہے۔ کہو تمھاری کتاب بھی جلا دینے کے قابل یا نہیں؟ لاؤ اب تم کو اس روز کا مسان کا معاملہ بھی بتا دوں کہ کیا ہے۔ اور جاہل

عورتوں نے اس کو کیا سمجھ رکھا ہے۔

ایسی عورتیں بہت کم ہوں گی جن کے بچے ٹونے ٹوٹکے یا گنڈے تعویذوں سے بچے ہوں۔ عام طور پر بچوں کی موت کا سبب مسان سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ نہایت ہی مہمل خیال ہے کہ مسان بچوں پر عاشق ہے، وہ بچوں کو لے جاتا ہے۔ اگر کسی عورت کے ہاں متواتر دو ایک بچے مر گئے تو ایک دو کو نہیں تمام کنبہ کو اس کے مرض مسان ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ نعوذ باللہ مسلمان ہو کر ایسا خیال کرنا کیسی شرم کی بات ہے۔ اسی قسم کا ایک مرض عورتوں کو ہسٹریا ہوتا ہے جس پر بھوت آسیب کا گمان ہونے لگتا ہے حالانکہ یہ بھی بہت ہی جاہلانہ حرکت ہے۔ ہسٹریا کے متعلق میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ ایک انگریزی لڑکی اسی مرض میں گرفتار ہوئی اور حالت مرض میں جب وہ بیہوش تھی اس نے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا! بھلا خیال کرو ولایت میں انگریزی لڑکی کا کھلم کھلا قرآن پڑھنا کیسے تعجب کی بات تھی۔ ہمارے ہاں تو جن کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ اور شاید بعض آدمی تو اس کو کرامت سمجھ لیتے۔ مگر ڈاکٹروں نے جب خوب تحقیقات کی تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ لڑکی کا باپ مصر میں فوج کا کرنل تھا۔ اس وقت اس بچی کی عمر چار برس کی تھی اور صبح ہی خانساماں کے ہاں کھیلنے چلی جایا کرتی تھی۔ وہ اس وقت قرآن شریف پڑھتا تھا اور یہ گھنٹہ دو گھنٹہ وہیں کھیلتی رہا کرتی۔ وہی الفاظ اس کے دماغ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جو اب بیہوشی کی حالت میں حافظہ نے دماغ سے لے کر زبان سے ادا کروا دیئے۔ یہی کیفیت مسان کی ہے کہ جہاں بچہ بیمار ہوا اور پیری کی سوجھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک آدھ سفید مرغ، دو ایک بکرے، کچھ نقد، اُن کی نذر کرنا پڑا۔ میرے رشتہ میں ایک چچی ہیں اُن سے زیادہ بدنصیب عورت بھی مشکل سے ہو گی۔ چھ بچے چھ چھ سات سات برس کے ایک ہی مرض میں ایک ہی موسم میں اُن کی گود میں خالی کر گئے بیچاری نے

ہزاروں گنڈے تعویذ کیے مگر خاک فائدہ نہ ہوا، ان کی بابت مجھے تو یاد نہیں کہ کسی نے بھی مسان چھوڑا ہو۔ یہ محض غلط تھا۔ اتفاق سے لیڈی رتے آگئیں۔ انھوں نے کہا میں علاج کروں گی۔ بچہ پیدا ہوا۔ انھوں نے ماں کا دودھ بند کر دیا۔ بازار کے دودھ سے پرورش ہوئی اب اللہ رکھے کئی بچوں کی ماں ہیں۔ نہ وہ مسان رہا نہ جن بھوت رہا۔ ایک نام تم نے "مرت بیاہی" سنا ہوگا۔ یہ اُس کمبخت بچہ کو کہتے ہیں جس کے اوپر چار پانچ مر چکے ہوں۔ گویا اس کی ضد صرف اس لئے ہوتی ہے کہ پوری نہ ہو۔ تو لوٹتا ہوا مر جائے اس لئے اس کی ناز برداری زیادہ کی جاتی ہے۔

بیوقوفی کے علاوہ اس قسم کا عقیدہ کیسا زبردست شرک ہے گویا ایسے بچے کو بچانے کی خدا میں کوئی قدرت نہیں۔ اِس کا مارنے اور جلانے والا صرف مسان ہے۔ حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ شرک کیسی بُری چیز ہے اور کیسا کبیرہ گناہ ہے۔ مگر اس ممتا کے کارن یہ بیوقوف مائیں سب کچھ کرتی ہیں۔ چوراہے پر کلہیاں اور رہریاں تک رکھ کر مشرک بن جاتی ہیں یاد رکھو کہ ہر بیماری خود انسان کے اپنے جسم سے پیدا ہوتی ہے بچہ ہو یا بڈھا۔ ہاں بچہ کو وہ مرض جس کو مغلئی دُکھ یا پسلی کا چلنا کہتے ہیں اعضا ضعیف ہونے کی وجہ سے بیشک ہوتا ہے۔ لیکن اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ دورہ کے وقت لال کے خون کے چند قطرے حلق میں ٹپکا دیں اور جہانتک ممکن ہو قبض نہ ہونے دیں۔ لو اب تمھارا بھونچال اور مسان سب طے ہو گیا۔

(۱۴)

دن کے وقت دونوں لڑکیوں نے باتیں سُنیں۔ رات کو سوئیں تو سوتے سوتے جن بھوت کا خیال دماغ میں چکر لگاتا رہا۔ نسیمہ کا قاعدہ تھا دونوں بچیاں جب سو جاتیں تو اچھی طرح ان کو دیکھ کر لحاف اڑھا کر خود سونے جاتی اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی کتاب لے کر بیٹھ گئی۔ آج بھی وہ لیٹی ہوئی کچھ پڑھ رہی تھی۔ پڑھتے پڑھتے آنکھ لگ گئی

تو رابعہ نے سوتے سوتے کراہنا شروع کیا اور اس زور سے کہ برابر میں ہاجرہ
تھی اس کی آنکھ کھل گئی۔ ڈرتے ڈرتے اٹھی اور بھاوج کو آ کر جگایا کہ "بھابی جان خدا
کے لئے ذرا اٹھئے تو سہی۔ دیکھئے بیچاری آپا جان کیسی بری طرح خواب میں ڈر رہی ہیں۔
گھگی بندھ گئی" نسیمہ اٹھی آ کر دیکھا۔ کروٹ بدلوائی۔ جگایا۔ تو رابعہ کا بدن تھر تھر کانپ
رہا تھا۔ اٹھی تو سہی مگر ایسی خوف زدہ کہ زبان سے کہتی کچھ تھی منہ سے نکلتا کچھ تھا۔ نسیمہ
نے پانی پلایا اور تسکین دی تو کہنے لگی "اچھی بھابی جان اب تو اپنے پاس سلا لیجئے اور
صبح ہی اس گھر کو چھوڑ دیجئے۔ اس میں کچھ ہے۔ میں نے جو کچھ دیکھا ہے صبح کہوں گی۔
اس وقت تو چاہے کاٹ ڈالئے میری زبان ہرگز نہ اٹھے گی۔ خدا کے واسطے صبح ہی
دوسرے گھر میں چلئے۔

رابعہ کے اس اصرار پر نسیمہ مسکرائی اور کہا۔

"اچھا میں تمہارے ساتھ سوؤں گی اور کل ہی گھر بھی بدل دوں گی۔ لو تھوڑا پانی
اور پیو۔ اور پان کھاؤ۔ تمہاری طبیعت درست ہو جائے گی"

آدھ گھنٹے کے قریب جب اس معاملہ کو گذر گیا تو رابعہ نے کہا۔

"دیکھنا بھابی جان میں نے ایسا برا خواب دیکھا کہ کہوں۔ ایک آدمی لمبا تڑنگا
کالا مسٹنڈا۔ بڑے بڑے دانت لمبے لمبے پاؤں آ کر مجھ پر چڑھ بیٹھا بہتیرا ہی دھکے دیتی
ہوں ہٹاتی ہوں مگر وہ ہے کہ ہٹنے کا نام نہیں لیتا اور وہ تو خدا نے خیر کی کہ آپ نے
مجھ کو جگا لیا نہیں تو اس نے میرے کھانے کو منہ پھاڑ ہی دیا تھا۔ کیا دانت بتاؤں
اس کے شیر کے بھی ایسے نہ ہوں گے۔ مجھ کو تو بھابی جان اس وقت اللہ ہی نے بچایا"

ہاجرہ "ہاں بھابی جان خدا کے لئے اس مکان کو چھوڑیئے میں بھی کئی مرتبہ
ایسے ہی خواب دیکھ چکی ہوں۔ ایک دفعہ تو میرا بھی یہ حال ہوا کہ ڈر کے مارے
ساری رات نیند نہ آئی۔ میں نے تو ایک حبشی دیکھا تھا۔ اب بھی کبھی خیال آتا ہے تو

کانپ جاتی ہوں ظہیر کہتا تھا کہ اس کمرے میں سیّد کی قبر تھی۔ سرکار نے تڑوادی۔ نہیں تو یہاں جمعرات کے جمعرات رات بھر گانا ہوتا تھا اور صبح کو کوئی بھی نہیں دکھائی دیتا تھا۔

رابعہ:۔ وہ جو مغلانی حصّہ لے کر آئی تھی۔ اُس نے بھی مجھ سے کہا تھا کہ یہاں سید صاحب کا مزار ہے۔ کوئی بے ادبی نہ کر بیٹھنا۔ نہیں عمر بھر کو اینڈ ہو جاؤ گی۔"

نسیمہ:۔ واری دیوانی لڑکیو! اری نیک بختو! یہ تو بتاؤ کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے آج تک کتنے آدمی پیدا ہوئے اور مرے۔ یہ بے تعداد جسم کہیں نہ کہیں ضرور دبے یا جلے ہوں گے۔ آخر تمہاری زمین جو اس قدر بڑی ہے کہاں تک اُن آدمیوں کو کافی ہو سکتی ہے۔ اور کونسی ایسی جگہ ہوگی جہاں کوئی روح نہ نکلی ہو یا کوئی جسم جلایا دبا نہ ہو۔ کہیں پیدا ہوئی، کہیں جلی کہیں دبی۔ پھر جب ہر جگہ اس کا ظہور ہے تو اگر یہاں قبر تھی تو کیا مضائقہ تھا۔ تم دیکھتی نہیں ہو ریل میں لاکھوں کروڑوں قبریں آئیں اور مسمار ہو گئیں۔ اگر وہ جسم کچھ تھے تو اُن کی چھاتی پر ریل گاڑی کروڑوں من کا بوجھ لے کر گذر جاتی ہے اور اس کا کچھ نہیں بگڑتا پانڈوں اور کوروں کی لڑائی میں تھانیسر کے میدان میں خون کے نالے بہہ گئے کتنی روحیں وہاں نکلیں مگر اب کیا دھرا ہے۔ بیٹیو! ایسی جگہ تو تم کو تمام روئے زمین پر مشکل سے ملے گی۔ جہاں کوئی قبر وغیرہ نہ ہو۔ پھر یہ وہم تمہارے دل میں کیوں پیدا ہوا۔ بات درحقیقت یہ ہے کہ جو باتیں تمہارے سامنے ہوتی ہیں۔ جو وہم تمہارے دل میں آتے ہیں، جو خیال تمہارے پاس ہوتے ہیں وہ بعض دفعہ دماغ میں چکر کھا کر خواب کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ تم خواب میں مبالغہ تو دیکھ سکتی ہو مگر ایسی چیز نظر نہیں آتی جو تم نے کبھی نہ دیکھی ہو یا تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ آسکے۔ اس لئے خواب کو یقین سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ البتہ وہ خدا کے سچّے بندے جن کو خواب میں بشارتیں ہوئیں جن کے خواب برحق ہوتے تھے اُن کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن ہم جیسے گنہگار کیا اور ہمارے خواب کیا۔ یہ تمام اف

قلب کا نتیجہ ہوتا ہے جس وقت سونے میں دل دب جاتا ہے اور اُس کی حرکت پر بُرا اثر پڑنے لگتا ہے۔ تو ایسی وحشت ناک صورتیں اور خواب دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ ھاجرہ بیگم! تم نے دیکھا نہیں تھا کہ سب سے پہلے میں نے رابعہ کا ہاتھ دل پر سے اٹھایا تھا۔ ہاتھ اُٹھاتے ہی انھیں جتنا بوجھ معلوم ہوتا تھا اور جس میں دبی ہوئی تھیں الگ ہوگیا۔ کروٹ دلواتے ہی اُٹھ بیٹھیں۔ کیسا جن اور کس کا ڈر۔ مکان بیچارے سے اِن باتوں سے کیا واسطہ۔ انسان سے بڑی طاقت بھی کوئی دنیا میں ہے جس نے ہاتھی اور شیروں تک کو قبضوں میں کر لیا چلتے دریا روک دیئے۔ دریاؤں کا رُخ بدل دیا۔ بڑے بڑے پہاڑ جو زمین کے سینے پر پاؤں گاڑے کھڑے تھے ڈھا دیئے۔ آوازیں پیدا کیں۔ ہوا کو قبضہ میں کیا آسمان پر اڑا۔ تمھارے گرامو فون۔ ہوائی جہاز اس کا ثبوت موجود ہیں۔ پھر بتاؤ انسان سے زیادہ اور طاقتور شے کیا ہے۔ صرف عقل کا پھیر ہے اور کچھ نہیں۔ انسان کے پاس عقل ایک ایسی طاقت ہے جس کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا۔ تم پڑھی لکھی ہو کر اِن وہموں میں پھنس گئیں۔ واہ واہ بچپن سے تمھاری طبیعتیں ڈرپوک۔ تمہارے دل بودے بنائے گئے تھے۔ اس لئے تم ڈرتی ہو۔ ورنہ انگریزوں کے بچوں کو کیا شام کے وقت باغوں میں اور جنگلوں میں درختوں کے نیچے اور دریاؤں کے اوپر نہیں دیکھا ان کو کوئی چیز نہیں ستاتی۔ نہ نظر ہوتی ہے نہ سایہ پھر دیکھو وہ کیسے کیسے کام کرتے ہیں۔“

(۱۵)

”ہمارے ہاں پی ناشاہی اور ہوّا ایسی ظالم چیزیں ہیں کہ بیوقوف لڑکیاں محض اپنے آرام کی خاطر کہ کسی طرح بچہ سو جائے۔ شروع ہی سے اس کو ڈرپوک بنا دیتی ہیں۔ اسی قسم کی ایک چیز افیون بھی ہے جو صرف اِس لئے دی جاتی ہے کہ بچہ غنین ہو کر پڑ جائے اور ماں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ حالانکہ یہ بچے بڑے ہو کر افیم کے اثر سے سست اور کاہل ہو جاتے ہیں بلکہ بعض دفعہ افیم میسر نہیں ہوتی تو بیمار پڑ جاتے ہیں۔ یہاں تک ہوا ہے

کہ افیم کی ڈبیہ ماں نے لاپرواہی سے رکھدی اور بچّہ نے اٹھالی۔ کھُل گئی اور اُس نے افیم کا
اٹھا منہ میں رکھ لیا۔ ماں کو خبر بھی نہیں ہوئی۔ اور بچّہ سویا تو ایسا سویا کہ پھر اُٹھنے کا نام ہی نہ لیا۔
تم کو بھی دنیا میں مائیں بننا ہے۔ اس لئے میں تم کو یہ باتیں سمجھاتی ہوں کہ بچّوں کی
پرورش اور تربیت علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ تربیت بجائے خود ایک مشکل کام ہے لیکن پرورش
بھی اس سے کم مشکل نہیں ہے۔ بہت سی مائیں صرف پرورش میں غلطیاں کرنے سے بچّوں کو
ملکِ عدم میں پہنچا دیتی ہیں۔ عام طور پر لڑکی یہ سمجھتی ہے کہ اس کا بچّہ جب رویا وہ بھوکا ہے
اور دودھ کے واسطے روتا ہے۔ لیکن بات یہ نہیں ہے۔ وہ اکثر کسی تکلیف کی وجہ سے بھی
روتا ہے۔ مگر نتیجہ الٹا نکلتا ہے۔ فرض کرو کہ اس کے پیٹ میں درد ہے۔ وہ پاؤں سکیڑ
رہا ہے جو درد کی اصلی پہچان ہے۔ مگر اس نے دودھ ٹھونس دیا۔ حالانکہ خرابی دودھ
کی تھی۔ درد بڑھ گیا۔ بچہ میں اتنی طاقت تو ہوتی نہیں کہ وہ اپنی تکلیف کا اظہار کر سکے۔
لیکن جہاں تک اس کی بساط ہوتی ہے وہ کرتا ہے۔ یاد رکھو اگر اندرونی تکلیف ہے تو
ضرور بچّہ اپنا ہاتھ اُدھر لے جائے گا۔ خواہ وہاں تک نہ پہنچا سکے۔ جس سے معلوم
ہوسکتا ہے کہ جسم کے اس حصّہ میں تکلیف ہے نہ یہ کہ بچّے کے منہ میں روتے ہی دودھ
دے دیا اور سلانے کی کوشش کی۔

لڑکیوں کو جب اُن کے بچّے ذرا بھی ہاتھ بڑھانے کے قابل یا کوئی چیز اُٹھا کر منہ
میں رکھنے کے لائق ہو جائیں۔ اس بات کی سخت احتیاط کرنی چاہیئے کہ اُن کے سامنے
کوئی خطرناک چیز نہ آئے۔ میری رشتہ کی خالہ تھیں اُن کے ہاں کئی بچّے جا کر ایک بچّہ
بچا۔ کیسا پیارا بچّہ کہ غیر کو بھی پیار آئے۔ خدا خدا کر کے نو دس مہینے کا ہوا۔ اماں باوا
سب پروانہ تھے۔ ہونے سندی۔ روپیہ بھنا پیسے ڈھکنے میں ڈال کسی کام کو چلی گئیں۔
بچّہ کھیل رہا تھا پیسہ اٹھا منہ میں۔ پیسہ گول حلق میں جا کر اٹکا۔ لڑکا بیتاب ہو گیا۔ نکالنے
کی ہر چند کوشش کی مگر نہ نکلا۔ فوراً ہسپتال لے گئے وہاں بھی نہ نکل سکا تو انھوں نے چیر پھاڑ

کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ پیسہ پیٹ میں چلا گیا سولہ سترہ روز کے بعد پیسہ اپنا رنگ لایا۔ لاکھوں ہی جتن کر ڈالے مگر کچھ بھی نہ ہوا۔ خاصا دس مہینے کا پلا پلایا بچہ صرف ماں کی ایک ذراسی غلطی سے موت کی نذر ہوا۔ نگوڑے مونگ پھلی کے چھلکے کی بھی کوئی اصلیت ہوتی ہے۔ ایک جگہ اسی نے اٹک کر ایسا فتور مچایا کہ اس بچہ کی بھی ماں کے ہاتھوں جان ضائع ہوئی۔ تو بیو! یاد رکھو کہ یہ بے زبان معصوم قدرت نے جو تمہارے سپرد کئے گئے ہیں ان کی پرورش جہاں تمہارا فرض ہے وہاں یہ قدرت کی امانت بھی ہیں اور ان کی موت کی تم ذمہ دار بھی ہوگی۔ بچہ کی موت کے یہ معنی نہیں کہ ماں نے رو دھو کر صبر کر لیا۔ بلکہ اس کی پرورش میں اگر غلطی ہوئی جس کا نتیجہ خواہ موت ہے۔ یا اس کے عادات و اطوار کا بگڑ جانا تو اس کی ذمہ دار ماں ہے اور صرف ذمہ داری فرض نہیں بلکہ اُس کو اِس کا خدا کے ہاں جواب دینا ہے تو سمجھ لو کہ بچہ کا پیدا ہونا گڑیا کا کھیل نہیں ہے بلکہ ماں پر ایسی ذمہ داری آکر پڑی کہ ذرہ بھر غفلت میں دین و دنیا دونوں برباد ہوں گے۔ اُس کی صحت کا درست رکھنا اس کی عادتوں کا اچھا ہونا۔ یہ صرف ماں کا کام ہے اور اس کو بتانا ہے کہ اُس نے اگر خدا کی ایک مخلوق ہونے کی حیثیت سے قدرت کے انتظام کو پورا کیا اِس کی وجہ سے نسل انسانی بڑھے، تو ایک ماں ہونے کی حیثیت سے اُس نے اس کو کس طرح پالا۔ اور کس طرح اٹھایا۔

میری بچیو! اِن باتوں کو کان میں ڈال رکھو نہ معلوم اس وقت جب تم مائیں بننے کے قابل ہو۔ میں ہوں یا نہ ہوں۔ مگر میں چاہتی ہوں کہ یہ باتیں تمہارے کان میں پڑی رہیں۔"

(۱۶)

نسیمہ کو پلوں میں رہتے سال بھر سے زیادہ ہوگیا۔ بچہ بھی ماشاءاللہ گھٹنیوں چلنے لگا تھا دونوں پھوپیاں اور تیسری ماں اس ننھے سے فتنے پر نثار تھے۔ اور سچ یہ ہے کہ وہ جان ہار باتیں ایسی غضب کی ڈھاتا تھا کہ سب اس کے دیوانے تھے نسیم

کہنے کو سرکاری کاموں میں زیادہ اُلجھا رہتا تھا مگر کیفیت یہ تھی کہ ذرا سی فرصت ہوئی اور گود میں لیا شام کو روزانہ خود لیکر سیر کو جاتا۔ دوست آشنا ہنسی بھی اُڑاتے، مگر اس کی فریفتگی میں فرق نہ آتا بچّہ کی حالت یہ تھی کہ جہاں شام ہوئی اِدھر پانچ بجے اور وہ کھسکتا کھسکاتا چوکھٹ میں جا بیٹھا اور لگا ابّا ابّا" کہکر آوازیں دینے۔ باپ نے کپڑے اُتارے اور اُس نے ہواخوری کی ہندوستانی جوتی اُٹھا کر آگے پھینک دی۔ نسیم گھر بھر کا کھلونا تھا کہ اتنی سی جان پر سب کی جانیں لڑی ہوئی تھیں جوں جوں اس کی عمر میں ترقی ہوتی تھی ماں اور باپ دونوں کا خون اس کو دیکھ کر چلوؤں بڑھتا تھا زبان کا کھلنا تھا کہ دونوں ماں باپ لٹّو ہو گئے۔ ذرا وہ ضد کرتا تو نسیم سے زیادہ قسیم بیچین ہو جاتا۔ ایک آنکھوں کے دکھنے میں اُس نے قسیم اور نسیم دونوں کو رات بھر جگایا اور پلک سے پلک نہ جھپکا دی۔ نسیم تو خیر ماں تھی جتنا بھی لیتی اور جو کچھ بھی کرتی کم تھا۔ مگر قسیم کی اس اندھا دھند محبت کا نتیجہ یہ ہوا کہ نسیم ماں سے بھی زیادہ باپ کے پاس رہنے لگا۔ رات کو جب آنکھ کھل جاتی تو آنکھیں بند گردن نیچی سیدھا اُٹھا باپ سے لپٹ کر سو گیا۔ ذرا باپ کے سر میں درد ہوا ننھے ننھے ہاتھوں سے سر دبانے بیٹھ گیا۔ باپ نے منہ دھویا اور وہ دوڑا تولیہ لینے، یہ تھیں وہ باتیں جنھوں نے نسیم کا سکّہ قسیم کے دل پر بیٹھا دیا۔ وہ بچّہ کے آگے بیوی کو بھی بھول گیا۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ نسیم رویا اور قسیم نے کہا۔ "سب کام چھوڑ چھاڑ پہلے اس کو لے لو۔" نسیم کی تیسری سالگرہ ہو چکی تھی اور قسیم کا تبادلہ نصیر پور کا ہوا۔ نہ معلوم یہاں کی آب و ہوا کا اثر تھا یا یہاں والوں کی کارستانی کہ اچھے اچھے مُلّا اور سیانے ڈگمگا جاتے تھے قسیم سیدھا سادھا آدمی وہ اِن لوگوں کی چالوں کو کیا سمجھتا تھا۔ دھڑلے کی دعوتیں ہوئیں کھُلّم کھُلّا جلسے اور علی الاعلان ناچ گانے ہوئے۔ بڑی خرابی آ کر یہ پڑی کہ خود تحصیلدار اسی رنگ کا تھے۔ شروع میں تو قسیم نے کچھ گریز کرنا چاہا۔ مگر ماتحتی کا معاملہ کہاں تک پرہیز کرتا۔

وشی سے یا جبراً جاتا اور شریک ہوتا۔ اب تک آنکھیں بند تھیں گھر یا گھر کی چار دیواری۔ ن ہو رات زندگی کی کل کائنات ایک بیوی ایک بچہ۔ اب جو دیکھا تو دنیا کے رنگ ہی اور ہیں۔ یہ خوان گوناگون نعمتوں سے پُر۔ انواع و اقسام کی آسائشوں سے لبریز اور طرح طرح کے میووں سے بھرا ہے آنکھیں کھل گئیں۔ خیالات فاسد جمع ہونے شروع ہوئے۔ لاکھ کوشش کرتا کہ اس آن میں فرق نہ آئے مگر اس کا کیا علاج کہ نہ گھر میں جی لگتا نہ کچہری میں۔ بیوی زہر لگتی۔ بچہ دشمن معلوم ہوتا۔ یا اس صحبت سے نفرت تھی یا یہ رغبت ہوئی کچہری کے چھ گھنٹے قید معلوم ہوتے۔ چھوٹا اور پہنچا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں گھڑی آدھ گھڑی کو کھڑے کھڑے آتا مزاج میں غصہ دل میں کپٹ آنکھ میں میل۔ تیوری پر بل۔ الٹی سیدھی ایک آدھ بات کی اور دیوان خانے میں جا لیٹا۔ پھر یہ بھی حکم نہ تھا کہ کوئی وہاں آسکے۔ نسیمہ تو خیر بیوی تھی اور بیوی بھی دور اندیش۔ اس نے نسیم کی محبت پر کبھی بھروسہ ہی نہ کیا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ آندھی کے آم ٹھہرنے والے نہیں۔ مگر معصوم بچہ پر سخت مصیبت آکر پڑی۔ اس کو تو ماں کا بچھوا بھی باپ ہی کی گود تھی۔ یہ باپ کی بے اعتنائی پھول سے کلیجے پر سخت چرکا تھا۔ ساری رات اور پورے پورے دن باپ کو یاد کرتا ابا ابا کہتا اور روتا تین ساڑھے تین برس کا بچہ بہت سی باتیں اپنی سمجھ کے لائق خاصی سمجھ لیتا۔ دیوان خانہ اچھی طرح پہچانتا تھا۔ گرتا پڑتا باپ کے پیچھے۔ اس کے پاس پہنچتا اور وہ کمبخت رخ نہ کرتا۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ وہ "ابا ابا" رٹتا روتا بلکتا اس کے پیچھے گیا اور ظالم نے بازو پکڑ گھر میں چھوڑ کنڈی لگالی اور وہ مڑ مڑ باپ کی صورت تکتا رہ گیا۔ اس بچے نے نسیمہ کی جان پر بنا دی۔ بہتیرا نسیمہ اس کو بہلاتی۔ چمکارتی اور سمجھاتی۔ مگر باپ کی یاد ننھے سے دل سے دم بھر کو بھی فراموش نہ ہوتی۔

ایک دن رات کے وقت گیارہ بجے ہوں گے، نسیمہ اپنے لال کو کلیجے سے چمٹائے بے خبر پڑی تھی کہ باپ کے ٹھٹوں کی آواز سے نسیمہ کی آنکھ کھل گئی۔ سیدھا اٹھ کر

مسکراتا ہوا باپ کے پاس چلا گیا۔ بچّہ کا آنا اس وقت جبکہ قسیم اپنے دوستوں کی صحبت میں مزے اڑا رہا تھا۔ بہت ہی غضب معلوم ہوا۔ اس بے دردی سے اس کو باہر نکالا کہ دیکھنے والے بھی دنگ رہ گئے۔ بچّہ کی بے غیرتی سمجھو یا فرطِ محبّت کہ ڈرا ڈرا دور تک میں ہی کھڑا جھانکتا رہا اور باپ کو محبّت سے آوازیں دیتا رہا۔

ایک مہینہ مشکل سے اسی طرح گذرا ہوگا۔ قسیم کی دونوں بہنیں بھائی بھاوج کی اجازت سے چند روز کے واسطے وطن گئیں اور صرف نسیمہ اور اس کا بچّہ گھر میں رہ گئے۔

خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ مگر اتنا ہم بھی جانتے ہیں کہ بیس پچیس روز تک باپ کی اس سنگ دلی پر بھی نسیمہ پر کوئی خاص اثر نہ تھا اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ وہ صبر و تحمل سے کام لیتا رہا۔ اس نے باپ کی بے دردی یا ظالم کا ظلم اچھی طرح جھیل لیا اور ضبط کیا مگر اس کے بعد ننھی سی جان تاب نہ لاسکی۔ ایک دن اِدھر قسیم گھر آیا اور اُدھر وہ جاکر باپ کے پاؤں میں لپٹ گیا۔ بہت ممکن ہے یہ خیال کیا جائے کہ نسیمہ نے سکھا دیا ہو مگر اس کا پیٹ بھچیا ہے۔ وہ مرگئی ہم کو مرنا ہے۔ نسیمہ اس شان کی عورت نہ تھی وہ ایسی پھوپی کی بھتیجی اور ایسی اُستانی کی شاگرد تھی کہ فاقے پڑتے در در کی بھیک مانگتی مگر قسیم جیسے شوہر کی نگاہ میں ذلیل نہ ہوتی نسیمہ کا یہ فعل اس کا ذاتی تھا کہ باپ کا پاؤں پکڑ لیا اور نہ جانے دیا۔ لیکن افسوس شقی القلب باپ نے اس طرح پاؤں جھٹکا یا کہ بچّہ کے منہ میں ایڑی لگی اور خون نکل آیا۔ وہ تڑپتا ہی رہا اور قسیم یہ جا وہ جا۔

اِس واقعہ کا تیسرا روز تھا کہ نسیمہ نے بچّہ کو نہلایا۔ سر میں تیل ڈالا کنگھی کی کرچکی تو اس کی صورت دیکھی۔ پیار آیا۔ گود میں اٹھا کلیجے سے لگا لیا۔ مگر آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ نسیمہ ماں کی یہ حالت دیکھ کر ایسا بے چین ہوا کہ اپنے کرتے کے دامن سے ماں کے آنسو پونچھے اور کہا "امّاں جان کیوں لوتی ہو؟"

نسیمہ: "بیٹا رو نہیں رہی۔ چلو چلکر لیٹ جاؤ۔"

نسیم: "اماں۔ ابا ہم کو گود میں نہیں لیتے۔ خیر میں اب بڑا ہو جاؤں گا میں بھی اماں ہی کو گود میں لوں گا۔ ان کو کبھی نہ لوں گا۔"

نسیمہ بچہ کی بات پر مسکرا دی۔ خوب بھینچ کر پیار کیا اور کہا "اللہ تمہاری عمر دراز کرے۔ تم جیتے رہو بس یہی سب کچھ ہے۔"

دوپہر ہو چکی تھی لے کر لیٹی تو بچہ سو گیا۔ ظہر کی اذان ہوئی تو نماز کو اٹھی۔ فارغ ہو کر بچہ کے پاس آئی تو اس کا بدن اچھا کا تھا۔ کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ بچہ کو اس غضب کا بخار چڑھا کہ الٰہی توبہ عشاء کے وقت وہ معصوم چنوں کی طرح بھن رہا تھا۔ اتنا بڑا ڈھنڈار گھر بائیں بائیں کر رہا تھا اور نسیمہ اپنے لال کو گود میں لئے پڑی تھی۔

دن کی اس کی باتیں یاد آئیں کلیجہ پر تیر برسے لمحہ بلحہ دیکھتی تھی کہ شاید بدن پسیج گیا ہو مگر وہاں تو بھاڑ بھن رہا تھا۔ آدھی رات کا وقت دل ہوا ہو گیا۔ قسمت آج کسی خاص طلب میں تھا اور معصوم بچہ ظالم باپ کو بخار کی حالت میں خواب میں دیکھ رہا تھا۔ دفعۃً آنکھ کھولی "ابا" کہہ کر ماں سے لپٹ گیا اور پھر آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ ماں نے ہر چند چمکارا۔ مگر وہ روتا پیٹتا گود سے اترا۔ اور دیوان خانے کی طرف چلا۔ نسیمہ نے بچے کے پکڑنے میں کمی نہیں کی۔ مگر کلیجہ گوارا نہ کرتا تھا کہ اس کو روک لے۔ وہ دیوان خانے کے دروازے پر گیا اور باپ کو بلاتا رہا۔ لاکھ نسیمہ کہہ رہی تھی کہ "بیٹا ابھی نہیں آئے" مگر وہ بلک رہا تھا اور کہہ رہا تھا "ابا جان اندر لیٹے ہیں۔ کنڈی لگائی ہے" نسیمہ نے بچے کو گود میں اٹھا لیا۔ آسمان پر کالی گھٹا چھائی ہوئی تھی اور ہوا زور شور سے فراٹے بھر رہی تھی۔ بچہ کو اندر لے کر دالان میں آئی منہ پر منہ رکھا پیار کیا چمٹایا۔ گلے میں ہاتھ ڈالے ننھے ننھے ہاتھوں کو سینہ پر رکھا اور رو کر کہا۔

معبود حقیقی یہ دکھیا مصیبت زدہ نسیمہ کا لال، تیری امانت ہے۔ الہ العالمین

مجھ بدنصیب پر رحم کیجیو۔ سچے آقا۔ اچھے معبود۔ دکھیاری کا لال شکستہ دل کا چراغ ہے۔"

نسیمہ یہیں تک پہنچی تھی کہ نسیم پھر اٹھا اور کہنے لگا "اچھی اماں جان چھوڑ دو دیکھو ابا جان گھملوں کے پاس کھڑے ہیں۔ اچھی میری اماں جان ان کو بلا دو۔"

نسیمہ کے پاس اس کا کچھ جواب نہ تھا آنکھ سے آنسو کی جھڑیاں بہہ رہی تھیں۔ کبھی اس کو سینہ سے لگاتی اور کبھی اس کی ضد پر چھوڑ دیتی۔ تین بج چکے تھے۔ بخار جنبش نہ کھاتا تھا اور چار برس کا پلا پلایا بچہ آج ماں کے ہاتھوں میں تھا۔ بارش زور شور سے ہو رہی تھی اور اس عظیم الشان مکان میں ایک بدنصیب ماں اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو لئے بیٹھی تھی۔ ماتھے پر ہاتھ پھیرتی پاؤں کو پیار کرتی۔ بلبلاتی اور روتی۔ بچہ نے پانی مانگا۔ رات کا وقت تھا۔ گود میں لے کر دروازہ پر آئی کہ کسی سے شربت منگوا کر معصوم کا حلق تر کر دوں۔ مگر سڑک پر سناٹا تھا۔ اُلٹی لوٹی اور یہ کہہ کر پانی پلا دیا "کلیجے کے ٹکڑے۔ شربت بھی نصیب نہ ہوا۔"

اِس فقرے نے نسیم پر کچھ ایسا اثر کیا کہ وہ اٹھ بیٹھا۔ ماں رو رہی تھی اس کو پیار کیا اور کہا "اماں تم لو روتی ہو میں اچھا ہو جاؤں گا۔ اماں جان اب بخار اتر رہا ہے۔"

ایک بجلی گری جس نے نسیمہ کے تمام بدن میں آگ لگا دی۔ مامتا کی ماری بچہ کے پاؤں پر گر پڑی اور کہا: "میں اپنے بچے کے صدقے نہیں میں نہیں روتی۔ ہاں بیٹا بخار اتر رہا ہے۔"

نسیمہ اتنا ہی کہنے پائی تھی کہ نسیم کو پھر غفلت ہوئی اور ماں کا مونھ اس کے ہونٹوں پر تھا کہ وہ چونکا اور کہا: "اچھی اماں وہ آ گئے ابا آؤ ابا۔۔۔۔۔"

بہتیرا ہی نسیمہ نے اس وقت بہلانا چاہا۔ مگر بچہ نہ سنبھلا۔ کھڑا ہوتا تھا گر گیا گرتے ہی ماں نے گود میں لیا۔ لیٹتے ہی آنکھیں پھیر لیں "ابا" زبان سے نکلا مگر پہلی ہی آواز پر اس حالت میں کہ بدنصیب ماں کی نگاہ اپنے لال کے چہرہ پر تھی۔ اس کو ایک ہچکی آئی۔ آنکھیں ماں کی صورت پر اور زبان باپ کی یاد میں تھی کہ نسیمہ کی گود میں، اس کا لال ہمیشہ کی نیند سو گیا۔

(۱۶)

نسیم کی موت بدنصیب ماں کے واسطے ایک ایسا مصیبت کا پہاڑ تھا جس نے رہے سہے ہوش وحواس بگاڑ دیئے اکیلی ٹٹروں ٹوں دن بھر پڑی رہتی۔ زیادہ بیتاب ہوتی رونے لگتی کلیجہ میں ایک ہوک اُٹھتی۔ دل پر چوٹ لگتی۔ آنکھوں میں اندھیرا آتا۔ دماغ میں چکر آتے۔ دیوانوں کی کی طرح پھرتی۔ سودائیوں کی طرح رہتی اور کوئی اللہ کا بندہ اتنا نہ تھا کہ دو باتیں کرتا اور اس کا غم غلط ہوتا۔ فسیمہ کے ٹھاٹ ہی اور تھے۔ اس کا دل پہلے ہی بیوی بچے کی طرف سے اچاٹ ہو چکا تھا۔ رنج تو درکنار، اس کو ملال بھی نہ ہوا اور دو ایک روز بعد خیال بھی جاتا رہا۔ مگر ہاں ماں ممتا کی ماری، نسیم جیسے لال کو، پال پوس، گہری گور میں سُلا، زندہ درگور ہوگئی۔ کیسا کھانا پینا اور کس کا اٹھنا بیٹھنا۔ دُو دُو تین تین وقت صاف نکل جاتے۔ بڑی مشکل سے کچھ لے کر بیٹھی اور پہلا ہی نوالہ گولی بن کر حلق میں رہ گیا۔ بچے کی یاد آتے ہی بھوک پیاس سب اُڑ گئی۔ دروازے پر جا کر جھانکتی۔ سڑک پر چاروں طرف دیکھتی۔ چھتوں کی طرف گھورتی لیکن وہ چاند سی صورت نظر نہ آتی۔ چاند اس کے سر پر چمکتا۔ بادل اُس کے سر پر آتے۔ بوندیاں اُس کی گود میں گرتیں۔ پھوار اس کے بدن پر پڑتی۔ مگر بچے کی جھلک دکھائی دیتی۔ چاند سے باتیں کرتی۔ ابر کے ٹکڑوں سے خطاب کرتی روتی اور کہتی "کالے بادلوں گھر گھر کر آؤ۔ چاند کو چمکاؤ۔ تاروں کو دمکاؤ۔ گرجو برسو۔ پانی گراؤ۔ بوندیاں ساؤ سبزے اگاؤ۔ پھول کھلاؤ۔ کھیتیاں سیراب کرو۔ پودے شاداب کرو۔ مگر آہ میرے لال کی صورت نہ دکھاؤ گے" مہینہ بھر کے قریب نسیمہ کی یہ کیفیت رہی۔ پھوپی کو اس کی حالت کا پورا اندازہ تھا۔ جب طبیعت زیادہ بگڑنے لگی تو پھوپی نے یہ خط لکھا۔

"نسیمہ پیاری کو پھپھو کی طرف سے دعا۔ بیٹی تمھاری مصیبت و کیفیت معلوم ہو کر افسوس بھی ہوا اور تعجب بھی۔ جانتی ہوں تمھاری آنکھوں میں دنیا اندھیر ہوگئی۔ نسیم جیسا لال تمھاری گود خالی، تمھارا گھر سُونا اور تمہاری زندگی برباد کر گیا۔ تم جتنا روؤ کم اور جو کچھ

کر و تھوڑا۔ مگر بیٹی دنیا کا یہی دستور ہے۔ تمہارا بچہ انوکھا نہیں مرا۔ قبرستان میں جا کر دیکھو اتنی اتنی
قبریں ہزاروں دکھائی دیں گی۔ یہ بھی کسی کے کلیجے کے ٹکڑے تھے۔ چھاتیوں پر سوئے سینوں پر
لوٹے اور آج ہزاروں من مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں۔ جن ہاتھوں سے اُن کو لوریاں دیں۔
اُن ہاتھوں سے گہری نیند سلا دیا۔ دنیا اسی کا نام ہے یہ سلسلہ چل رہا ہے اور چلے گا۔ قدرت
کا انتظام ہے پورا ہو رہا ہے اور ہو گا۔ تمہارے یا میرے روکے رُک نہیں سکتا بیٹیم
تمہاری ملکیت نہ تھا۔ تمہارے پاس امانت تھی۔ جب تک جی چاہا چھوڑی اور جب جی چاہا
لے لی۔ تم رونے والی کون۔ اولاد تم زندگی ہے مگر بہت کم ہونگی ایسی مائیں جو اس مصیبت سے آشنا نہیں۔ کیا
درخت کے سب پھل باغبان ہی کی ملکیت ہیں۔ نہیں ان میں کچھ کچے گرتے ہیں۔ کچھ طوطے
کھاتے ہیں۔ کچھ برباد ہوتے ہیں۔ تم نے ابھی دنیا کا کیا دیکھا ہے۔ یہ انسانی زندگی کے
نشیب و فراز ہیں۔ اگر تکلیف نہ پہنچے اور مصیبت نہ آئے تو انسان خدا کو بھول کر بھی
یاد نہ کرے خدا ایسے ہی وقت پر یاد آتا اور ان ہی موقعوں پر اس سے مدد ملتی ہے۔ تم اس
مصیبت سے اکتا گئیں جو درحقیقت مصیبت نہیں۔ تم مسلمان ہو اور قرآن و حدیث
تمہارا ایمان۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ حضور اکرمؐ نے یہ فرمایا کہ چھوٹے چھوٹے معصوم
میدانِ حشر میں ماں باپ کی مغفرت کرائیں گے دنیا اچھی طرح یا بُری طرح سب کی
گزری ہے اور گزرے گی۔ اسی بہانہ سے نسیمہ تمہارے واسطے توشۂ آخرت اور
سببِ مغفرت ہو گیا۔ اصل مرحلہ تو وہاں کا ہے یہ تو سیما کی جلوے اور کیمیائی
نظارے ہیں۔ کیا تم کو وہاں جانا نہیں اس وقت کو بھی آیا سمجھو آنکھ بند کرنے کی دیر ہے۔
یہ رات کوئی دم میں صبح ہوئی اور سفر شروع ہو گیا کیسی کٹھن منزل اور کڑا راستہ ہے۔
جہاں آدمی نہ آدم زاد سنگی نہ ساتھی یہ بیٹیاں نہ بچولیاں صرف اپنے اعمال
اور اپنے افعال۔ نسیمہ بیگم اس وقت کون مددگار ہو گا حسرت د
یاس سے چاروں طرف دیکھو گی اور کوئی صورت نظر نہ آئے گی۔ ایک عظیم الشان دربار

ایک زبردست حاکم تخت حکومت پر ہوگا اور ایک عاجز انسان، ایک بندۂ گنہگار کی ہستی
نسیمہ اس نازک وقت میں مجھ جیسی عاشق زار پھوپی اور زاہد جیسا غمگسار باپ اپنی
اپنی مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔ہاں اس وقت ایک بچہ دوڑ کر تمہاری چھاتی سے
لپٹے گا اور تمہارا ہاتھ پکڑ کر جنت میں لے جائے گا۔اور وہ تمہارا لال نسیم ہوگا۔تم نے
اپنے واسطے پہلے سے ایک سامان بھیج دیا۔اور وہ سامان اس آڑے وقت میں تمہارے
کام آئے گا۔مگر آج تم اپنے آنسوؤں سے اس پھول کو پامال کرتی ہو۔اس سے زیادہ
لغزش، اس سے بڑھ کر بیوقوفی کیا ہوگی؟

میں نے میاں قسیم کا حال بھی سنا۔وہ ماشاء اللہ سمجھدار آدمی ہیں جو مناسب سمجھا
وہ کر رہے ہیں۔تم کیوں رنجیدہ ہوتی ہو۔اُن کو اس فانی دنیا سے خوش ہو لینے دو۔
ان کو نسیم کی آواز ناگوار تھی، اب یہ آواز اُن کے کان میں نہ آئے گی۔دنیا کی تمام بہاریں
اُن کے واسطے ہوں گی۔وہ آج نائب تحصیلدار ہیں کل تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر ہوں گے مگر کلیجے کے
ٹکڑے نسیم کی ہڈیاں گل کر خاک ہو چکی ہوں گی۔وہ باپ کی آواز کو ترستا اور
صورت کو پھڑکتا باپ کے گھر سے سدھارا۔مگر وہ باپ کا عاشق زار تھا وہاں بھی
باپ کو نہ چھوڑے گا۔اس وقت خود میاں قسیم کو معلوم ہوگا کہ میں نے کیا کیا۔تم
کو خدا دونوں وقت کھانا دے رہا ہے۔عزت سے ایک کونے میں بیٹھی ہو۔پہننے کو کپڑے
پکانے کو ماما، تمھارے پاس موجود ہے۔شوہر کا شکریہ ادا کرو۔اور دعا کرو کہ
خدا اُن کو نیک توفیق دے۔بہت سی اللہ کی بندیاں تم سے بدتر حالت میں ہیں۔
اُن پر نظر ڈالو اور خدا کا شکر کرو۔ماں باپوں کی بیٹیاں بڑے بڑے دکھڑے بھگتتی
ہیں۔باپ دادا کی شان آج تم میں ہے۔ان کا خون تمھاری رگوں میں دوڑ
رہا ہے۔نسیمہ بیگم وہ کام نہ کرنا کہ کل باپ دادا سے شرمسار ہو۔وہ مر گئے
اُن کا نام باقی ہے۔اُن کی عزت تمھارے ہاتھ اور اُن کی شرافت تمہارے ساتھ ہے

بیٹی مصیبت کو صبر، سختیوں کو استقلال سے اور تکلیفوں کو ہمت سے اٹھاؤ اور
میری یہ بات لکھ رکھو۔ میاں قسیم کے نئے دوست ساون کی چڑیاں ہیں چند روز
میں اڑ جائیں گی۔ وہی گھر ہوگا اور وہی تم ہوگی۔ ایسا نہ ہو اس وقت کا پچھتاوا اور
ان دنوں کا کوئی افسوس تمھارے پاس باقی رہ جائے۔ یہی آزمائش کا وقت ہے۔
پہلے سے زیادہ خدمت کرو اور بتا دو کہ شریفوں کی بیٹیاں مصیبت میں کندن اور
تکلیفوں میں پارے کی طرح چمکتی ہیں۔ یہ دن ہمیشہ رہنے والے نہیں۔ خود زمانہ میاں
قسیم کی آنکھیں کھولے گا وہ اپنے کئے پر روئیں گے۔ ان کا دل شرمندہ، ان
کی نگاہ نیچی، ان کی آنکھیں نم، اور ان کا ضمیر پریشان ہوگا۔ مگر ضرورت یہ ہے کہ اس
وقت تمھارا دل بشاش۔ تمھاری نگاہ اونچی اور تمھاری آنکھیں شیر ہوں۔ دنیوی
فیصلہ کا وقت وہی ہوگا۔ اور صرف تم دونوں کے دل اس وقت منصف ہوں گے
نسیمہ بیگم ایسا نہ ہو کہ میاں کے سامنے تمھاری نگاہ نیچی ہو جائے۔
قسیم میاں کو میری طرف سے دعا کہنا۔

دعاگو

تمھاری پھوپی

(۱۸)

ڈاک قسیم کے ہاتھ میں آتے ہی اس نے پھوپی کا خط پڑھا خط کیا گزری ہوئی
داستان کا پورا بیان اور آیندہ کی سچی پیشین گوئی تھی۔ ہر حرف کلیجہ میں گڑا اور دل میں کھُبا
اپنی بھونڈی اور بھدّی تصویر الگ دکھائی دی۔ اس پر پھوپی کی شفقت اور یہ گرانمایہ
نصیحت، کچھ ایسا جادو تھا کہ چیخیں مار کر رونے لگا۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ مجھ سے زیادہ
ظالم مجھ سے بڑھ کر دغاباز کون ہوگا جس نے ایسی بیوی کو خون کے آنسو رلوا دیے
پھوپی نے جس وقت کی طرف اشارہ کیا تھا وہ فوراً ہی آنکھ کے سامنے آگیا۔ بیتاب ہو کر

خط لئے ہوئے اندر گیا۔ دیکھا تو بیوی کچہری کے لئے انڈے تل رہی تھی۔ یہ اور بھی زبردست چرکا تھا۔ صورت پر نظر پڑتے ہی پچھلی تمام باتیں یاد آگئیں اور ساتھ ہی خیال آیا کہ اس سختی پر بھی بیوی نے کبھی آدھی بات زبان سے نہ نکالی۔ نسیمہ نے آکر انڈے اور روغنی روٹی باندھی۔ پان بنا کر میاں کے سامنے رکھا۔ دل اُمنڈ رہا تھا۔ دیوانہ وار اُس کے پاؤں پر گرا اور کہا۔

"بیگم میرا قصور معاف کردو"

شوہر کے اس طرح خلاف عادت پاؤں پر گرنے سے نسیمہ سہم گئی۔ پہلے تو وہ کچھ سمجھی نہیں مگر اس کو روتا دیکھ کر ضبط نہ ہوسکا اپنی آنکھ سے بھی آنسو جاری ہوگئے۔ سر اٹھا کر ہاتھ میں لیا۔ اور اس کے قدموں کو ہاتھ لگا کر کہا۔

"یہ کام تو میرا ہے۔ تمھارا نہیں"

"تم آقا میں لونڈی۔ تم حاکم میں محکوم۔ تم سرتاج ہو۔ میں چیری۔ تم مالک ہو میں باندی۔ مجھ کو گنہگار نہ کرو۔ سچ کہتی ہوں میں اب تک پوری طرح نہ سمجھی کیا معاملہ ہے لیکن تم نے میرے پاؤں پر سر رکھ کر میری زندگی پر ایک بدنما دھبہ لگا دیا۔ خدا شاہد ہے میں ہیچ تھی۔ ورنہ میں اس سر پر قربان ہونے والی ہوں۔ خدا اس سر کو ہمیشہ بلند رکھے۔ اس سر سے میری عزت اور اس زندگی سے میری وقعت ہے۔ تمھارے در پر میری پالکی آئی ہے اور کھٹولی جائے گی جیوں تو تمھاری اطاعت میں اور مروں تو تمھاری خدمت میں۔ آرزو یہ کہ تمھارے ساتھ عزت آبرو سے زندگی بسر ہو اور ارمان ہے کہ تمھارے ہاتھ سے پیوند زمیں ہوں۔ باپ دادا کا سایہ میرے سر سے اٹھ چکا۔ بھائی کوئی موجود نہیں۔ سچے وارث اور حقیقی مالک تم ہو۔ زندہ لاسکے ہو مردہ لے جانا۔ میری زندگی کی مراد میرے دل کا ارمان اگر ہے تو اتنا کہ بڑوں کی لاج اور بزرگوں کی آن میں فرق نہ آئے۔ جس ہاتھ سے پکڑا ہے اسی سے سپرد خاک کردینا۔ اللہ بس باقی ہوس۔

قیسمر کی آنکھ بیوی کے سامنے اٹھتی نہ تھی۔ وہ سرنگوں تھا۔ بیوی کی تقریر سے

ہچکی بندھ گئی۔ اس کا ہاتھ آنکھ سے لگایا اور کہا۔

"تم شریف ہو میں ذلیل۔ تم بیگم ہو میں لونڈی۔ تم انسان ہو میں پتھر۔ میں تم سے اور تمہارے معصوم لال سے شرمندہ ہوں۔ میں نے تمہاری قدر نہ کی۔ مگر تم نے اس پردیس میں وہ جوہر دکھایا جس کی چمک قیامت تک مٹنے والی نہیں۔ مرنے والی روحیں تمہاری زندگی پر فخر کریں گی اور آنے والی نسلیں تمہارا نام سر آنکھوں پر رکھیں گی۔ تم انسان کی صورت میں فرشتہ اور نسیمہ کی صورت میں حور ہو۔ تم نے میرے ظلم سہے اور آف نہ کی مصیبتیں بھگتیں اور آہ نہ کی۔ میں گنہگار ہوں، شرمسار ہوں۔ منہ نہیں کہ معذرت کر سکوں۔ اور آنکھ نہیں کہ رو سکوں۔ نسیمہ بیگم بیویاں تم سے سیکھیں گی۔ بیٹیاں تمہارا نمونہ بنیں گی۔ تم آخرت میں بامراد ہو گی۔ زندگی تمہارے واسطے چمن اور موت تمہارے واسطے دلہن ہو گی۔ مگر آہ میں بدنصیب دونوں جہاں سے گیا۔ بیگم! میرا ایمان مجھ پر ملامت کر رہا ہے۔ میرا دل مجھ پر لعنت بھیج رہا ہے۔ نسیمہ بیگم اپنے کرم سے اپنے رحم سے اپنا صدقہ۔ اپنے باپ کی روح کا صدقہ۔ میرا قصور معاف کرو۔"

لاکھ قسیم کے مظالم کی تصویر نسیمہ کے سامنے تھی۔ مگر اس کی تقریر سے پتھر بھی موم ہو جاتا۔ ضبط نہ کر سکی۔ اس کے قدموں کی طرف جھکی۔ اور کہا۔

"اچھا"

اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور آسمان کی طرف دونوں میاں بیوی ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہوئے۔ اس وقت نسیمہ نے اپنے آنسوؤں کو روکا اور کہا۔

"مصیبت میں کام آنے والے معین! بیکسوں کو مدد دینے والے مددگار! ہم دونوں شرمسار گنہگار بندے تیرے حضور میں حاضر ہوئے ہیں۔ ہماری زندگی گناہوں سے بھری اور غلطیوں سے لتھڑی تیرے سامنے ہے۔ سچے دل سے اور اچھی نیت سے ہم توبہ کرتے ہیں قبول کر اور توفیق دے کہ دمِ واپسیں تک اپنے قول پر ثابت قدم رہیں۔"

(۱۹)

قسیم کا دل اس وقت بیوی کی صفائی سے کچھ ٹھیر گیا، اور بات بھی گئی گزری ہوئی مگر یہ دہاکا کچھ ایسی بری طرح اس کے دل پر بیٹھا کہ وہ دم بھر کو بھی اس سے غافل نہ ہوتا۔ سوتا ہے تو خواب اور جاگتا ہے تو خیال! کچہری کے سوا باہر کا آنا جانا اس نے قطعاً موقوف کر دیا۔ وہ خود جس وقت اپنی پچھلی حالت پر غور کرتا تو کانپ جاتا۔ کچہری میں جی لگتا نہ گھر میں، قبرستان جاتا۔ بچہ کی قبر پر روتا اور کہتا "مجھ سے زیادہ ظالم باپ کون ہوگا جس کا لال میرے ظلم کا شکار اس جنگل کو آباد کر رہا ہے۔ زندہ ہوتا تلافی کرتا معافی مانگتا۔ مگر اب کیا کروں"۔ بیوی کو دیکھتا کہ اس کی آنکھ میں میل ہے نہ تیوری پر بل۔ ہر وقت خدمت میں مصروف اور اطاعت میں سرگرم قسیم کی یہ حالت دیکھ کر نسیمہ ہر چند اس کو سمجھاتی اور قسمیں دیتی مگر اس کو کسی طرح تسکین نہ ہوتی۔ کچہری کا کام خراب ہونے لگا اور غذا برائے نام رہ گئی۔ قسیم کی یہ کیفیت دیکھ کر نسیمہ کو دوسرا کھٹکا پیدا ہوا تین مہینے کی چھٹی دلوا گھر لائی۔ انگریزی اور یونانی سب ہی قسم کے علاج کرائے۔ مگر قسیم کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی۔ چند روز میں اٹھنا بیٹھنا ختم ہو گیا۔ ہر وقت پلنگ پر پڑا رہتا۔ زندگی کے کارنامے پیش نظر ہوتے اور حسرت و یاس کی تصویر آنکھ کے روبرو۔

نسیمہ ان بیویوں میں سے بیوی نہ تھی کہ قسیم کے دکھ یاد رکھتی اور سکھ بھول جاتی۔ وہ خوب اچھی سمجھتی تھی کہ اگر خدانخواستہ یہ مر گیا تو پوری مٹی پلید ہوگی۔ اس کا ظلم دوسرے کے رحم سے اچھا، اس کی نفرت اور کی محبت سے بہتر۔ اس نے جی کھول کر شوہر کی خدمت کی۔ تمام رات اس کی پٹی پکڑے بیٹھی رہتی۔ مائیں پھوپھیاں بہنیں بھاوجیں سب موجود تھیں۔ مگر اس کو کسی پر اعتبار نہ تھا۔ اپنے ہاتھ سے دوا پیستی۔ اپنے سامنے پلاتی۔ مگر خرابی یہ تھی کہ کوئی خاص مرض نہ تھا۔ ایک ندامت تھی جس نے قسیم کی جان پر بنا دی اس میں شک نہیں نسیمہ نے خدمت کا وہ حق ادا کیا کہ قسیم اس کا کلمہ پڑھنے لگا۔ ایک روز آدھی رات

کے وقت سب بڑے سوتے تھے۔ نسیمہ بیٹھی جاگ رہی تھی کہ قسیم نے پانی مانگا۔ پلا چکی تو قسیم نے وہی اپنی معذرت شروع کی۔ کچھ دیر تک نسیمہ چپکی بیٹھی سنتی رہی اور پھر کہا۔

"میں تم سے پہلے بھی کہہ چکی اور اب پھر کہتی ہوں۔ میری زندگی کی تمام بہاریں تمھارے دم سے ہیں جب خدا نخواستہ تم نہ ہوئے تو میرا جینا بیکار اور رہنا فضول۔ تم اپنی جان کو گھلا کر مجھ کو زندہ درگور کر رہے ہو۔ موت اس وقت سے بہتر ہے جب مجھ کو خدا یہ وقت دکھائے۔ میں کچھ نہیں کہتی۔ مگر تم اپنے ساتھ میری زندگی کا خاتمہ کر رہے ہو۔ یہ دنیا جو آج تمھارے دم سے میرے واسطے جنّت ہے۔ خدا نخواستہ تمھارے بعد میرے لئے مصیبت ہوگی۔ ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ ہماری زندگی ابھی ایک کونپل ہے جس میں بہت سے پھل پھول آنے ہیں۔ تم اس لہلہاتے پودے کو کیوں پامال کرتے ہو۔ انسان سے غلطی ہوتی ہے۔ وہ خطا و نسیان کا پتلا ہے۔ اِس خیال کو دل سے نکالو اور مجھ پر رحم کرو۔ تم پہلو میں میرے کرم کے ملتجی تھے۔ آج میں تمھاری محبّت کی خواستگار ہوں۔"

نسیمہ کی یہ درخواست قسیم کے دل کو لگ گئی۔ ندامت کا اثر قدرتی طور پہ بھی اس کے دل سے کم ہوتا چلا جاتا تھا۔ بیوی کی التجا نے مرہم کا کام کیا اور چند روز بعد قسیم اچھی طرح چلنے لگا۔

(۲۰)

شوہر کی طرف سے اطمینان ہونے کے بعد نسیمہ کو اب کوئی خاص فکر نہ تھا۔ بچّہ کا صدمہ بھی زائل ہو چکا تھا۔ ہاں یہ خیال اکثر اس کے دل میں کھٹکتا تھا کہ وہ پھوپی کی خدمت بڑھاپے میں جتنی چاہتی تھی نہ کر سکتی تھی اس میں شک نہیں کہ اگر وہ دس پانچ روز کیا۔ چار پانچ مہینے بھی متواتر وہاں جا کر رہتی تو قسیم اتنا دب گیا تھا کہ خواہ تکلیف ہوتی، ناخوش ہوتا، زبان سے اُف نہ کرتا لیکن نسیمہ تو وہ بیوی تھی جس نے تمام عمر شوہر کو شکایت کا موقع ہی نہ دیا۔ دل ضرور تڑپتا طبیعت بے شک بےچین ہوتی۔ مگر صبر کرتی اور ضبط کرتی۔ جانتی تھی کہ میرے باہر قدم دھرتے ہی سارا گھر چوپٹ ہو جائیگا۔

نندیں گو موجود ہیں مگر بچھڑ کیاں ہیں۔ بھائی کو پورا آرام ہرگز نہ پہنچا سکیں گی۔ آٹھویں دسویں جاتی۔ صبح گئی دن بھر رہی شام کو آ گئی۔ یہاں بھی کوئی خاص کام اس کے سپرد نہ تھا مگر سب سے زیادہ تو دو نندوں کی حفاظت ہی ایک ایسی ذمہ داری تھی جس نے اس کو قید کر کے بٹھا دیا۔ دن بھر کو بھی جاتی تو میاں کو گھر میں بٹھا کر۔ ساس کی وصیت کے علاوہ خود بھی ان بچیوں سے کچھ ایسی محبت کرتی تھی کہ شاید ماں بھی ہوتی تو اتنی ہی کرتی بڑی رابعہ اب سولھویں برس میں تھی۔ مگر ہندوستان کے موجودہ تمدن نے جو لڑکیوں کی بے وقعتی کی ہے اس سے یہ گھر بھی نہ بچا۔ دن ہوا ہوئے جاتے تھے اور کوئی جھوٹ موٹ آ کر یہ بھی نہ پوچھتا تھا کہ اس گھر میں کوئی لڑکی ہے۔ امیر گھر کی بیٹی۔ کھائی۔ پی۔ اطمینان کی روٹی۔ بے فکری کی نیند فیل کا فیل بنی ہوئی تھی۔ قسیمہ کو تو پرواہ بھی نہ تھی مگر نسیمہ کا اُسے دیکھ دیکھ کر خون خشک ہوتا تھا۔ چاروں طرف تلا توپ ڈالی۔ مشاطہ اور بیچ والیاں سب ہی سے کہا اور سُنا۔ مگر سال پورا گزر گیا اور ایک بات ڈھنگ کی نہ جڑی۔ خدا خدا کر کے اٹھارہویں برس بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا اور ایک پیغام آیا۔ خدا کی شان ہے، جس لڑکی کے ساتھ دس ہزار کی جائداد اور دریا پار کا آدھا موضع اور ایک کے بدلے چار چار زیور ہوں۔ اس کے خواستگار ایسے صاحبزادے ہوئے۔

عمر کے اَدھیڑ۔ صورت کے حبشی۔ مزاج کے خاصے۔ سو روپے کے نوکر تین بچوں کے باپ۔ لنگڑے۔ رنڈوے۔ پردیسی۔

نسیمہ تو اُکھڑ گئی تھی، مگر پھوپی نے کہا "بیٹی کب تک بٹھاؤ گی۔ جوانی ڈھل رہی ہے پھر کوئی اتنا بھی نصیب نہ ہوگا۔ جس گھر میں دیکھو کوار کوٹ چنے ہوئے ہیں بیٹیاں کیا ہیں چیونٹیوں کی فوج ہیں بڑھتا نہیں۔ بسم اللہ کرو۔"

مجبور نسیمہ بھی راضی ہو گئی۔ قسیمہ بھی ایک ہفتہ کی چھٹی لے کر بہن کو وداع کرنے آ گیا۔ ہم کو اس شادی کے صرف اس حصّہ سے بحث ہے جو نسیمہ سے متعلق

ہے وداع سے ایک روز قبل اس نے نند کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا۔

"رابعہ بیگم میں تم کو اس کام کے واسطے جواب قدرت سے تم سے لینا چاہتی ہے۔ بتیس ہوئیں کہ تیار کر چکی ہوں۔ مگر اس کام کی ایک شاخ ایسی نکلی ہے جس کے متعلق میں تم سے آج تک گفتگو نہ کرسکی بیٹی شادی میری ہو چکی اور تمہاری ہو رہی ہے میں ماں بن چکی اور تم ہوگی۔ نہیں تم بیوی ہونے کے ساتھ ہی ماں بھی ہوگی۔ تمہارے تین بچے موجود ہیں اور دنیا ایک اہم ذمہ داری کا کام تمہارے سپرد کر رہی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تم آئندہ چل کر اسے تکلیف سمجھو۔ اور یقین کر لو کہ بھاوج نے بیجان سوکر لا سوت اچھی اور سوت کے لیلاڑے برتے، مجھ کو کنوئیں میں دھکیل دیا لیکن نہیں میں ایمان سے کہتی ہوں۔ تم مجھے پیٹ کی بیٹی سے زیادہ ہو۔ مگر کیا کروں یقین کرنا راتوں اسی جھگڑے میں رہی اور سوچتی رہی ہوں کہ کسی طرح تم کو دلہن بناؤں۔ مگر کیا کروں تمہارا سنجوگ یہی تھا اور یہ انوکھا تمہارا نہیں ہے۔ ماں باپوں کی بیٹیاں سوکنوں اور ان کے بچوں کو بھی بھر رہی ہیں اور بیسیوں اللہ کی بندیاں ایسی نکلیں گی جنھوں نے اس کٹھن رستے کو گلزار کر لیا۔ تم اگر ایمانداری سے کام کرو گی اور سمجھو گی کہ بے ماں کے بچے تمہارے اپنے بچے ہیں تو دونوں جہاں کی خوبیاں تمہارے واسطے موجود ہیں۔ معصوم بچے بے قصور ہوتے ہیں۔ نکاح کا ذمہ دار ان کا باپ ہے۔ وہ نہیں۔ پھر ان سے نفرت کرنی غلطی اور بیہودگی ہے۔ خدا نے ان سے ایک ماں چھین کر دوسری اس لئے دی ہے کہ وہ پہلی ماں کو بھلا دے۔ ان کو چھاتی سے لگائے اور شفقت سے سلائے۔ مگر بہت سی کم بخت لڑکیاں اس جلاپے میں پڑ کر دین و دنیا دونوں برباد کر لیتی ہیں۔ دور کیوں جاؤ۔ اپنی پھوپی زاد بہن ہی کو یاد کر لو۔ تم نے ان کو دیکھا تو ضرور ہوگا۔ آپا نصیرا کو مرے مشکل سے آٹھ برس ہوئے ہوں گے۔ ان کو بھی ایسے گھر جانا پڑا جہاں ایک بچہ ساجد موجود تھا تین برس کا بچہ سمجھتا بھی نہ تھا

کہ موت اور شادی سے کیا بلا۔ باپ بچے کا عاشق زار تھا چار سو روپے کی تنخواہ ہزار بارہ سو روپیہ کا کرایہ۔ روپے کی کیا کمی ذرا بچہ کا پنڈا پھیکا ہوا اور اس نے جھٹ سے چار بکرے کر دیئے۔ میری آنکھوں دیکھی بات ہے کہ ماں کے مرنے سے کوئی دو مہینے پہلے تو تلی چچی آئیں۔ بچہ گود میں اٹھا لیا اور اس کی ماں ذاکرہ بیگم کو ہزاروں دعائیں دیں۔ بیچاری غریب آدمی تھیں کنبہ ہی سے سلوک ہو جاتا۔ اس میں گزر کرتیں ذاکرہ نے بچہ کو اٹھنی دی کہ جا کر تو تلی چچی کو دیدو۔ بچہ دے کر گیا۔ چچی نے کہا "چندا ضرورت زیادہ ہے۔ روپیہ دے" بچہ اٹھنی پھیر لایا۔ اور ماں سے کہا "روپیہ دو" ذاکرہ کہنے ہی کو بیگم نہ تھی ایک روپے کی جگہ سو روپے بچے پر سے قربان کرنے اس کو مشکل نہ تھے دل کی بھی ایسی تھی کہ روپے کی جگہ ہمیشہ دس اٹھائے۔ مگر وقت کی بات ہے۔ اس وقت اکڑ گئی اور کہا "نہیں۔ بس اٹھنی دیدے" بچہ بھی آخر کس ماں کا تھا۔ لگا ایڑیاں رگڑنے اور پٹخنیاں کھانے "کہ ہائے روپیہ لوں گا" ذاکرہ نے بھی قسم کھا لی کہ دیکھوں تو سہی تو ہے کس کا بچہ، روپیہ لے تو لے" اتنے میں باپ کچہری سے آ گیا۔ کپڑے بھی تو نہ اتارے اسی لتھڑے پتھڑے بچہ کو گود میں اٹھا لیا اور چمکار کر کہا "میرا چاند ایک روپیہ کیسا مجھ سے لے۔ دو دوں چار دوں۔ دس دوں" ذاکرہ بھی ضدن تھی۔ قسم کھا کر کہا "اگر تم نے اس کو روپیہ دیا تو مجھ سے زیادہ برا کوئی نہ ہو گا" ہم سب بیٹھے ہنس رہے تھے کہ بچہ کی ضد۔ ماں کی قسم۔ فیصلہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ بہتیرا ہی ڈپٹی صاحب نے اس کو پیار کیا مگر وہ کیا قابو میں آنے والا تھا۔ میاں نے بیوی سے کہا "تم نے سچ مچ روپے کی قسم کھا لی ہے؟"

بیوی: "ہاں میں نے قسم کھا لی ہے۔ اس وقت نہیں دوں گی پھر چاہے دو دے دینا" ڈپٹی صاحب نے ماما سے کہا "میرا صندوقچہ لا"

بیوی: "اچھا تم روپیہ دے کر دیکھ لو۔ خدا کی قسم جو میں اس کو اپنے ساتھ

سلاؤں۔ میری قسم کوئی چیز ہی نہ ہوئی۔"

میاں "تم دیکھو تو سہی۔ تمھاری قسم ٹوٹے جب ہی خفا ہونا۔"

بیوی "ہاں اچھی بات ہے۔"

ڈپٹی صاحب نے صندوقچہ کھولا۔ اشرفیوں کی ننھ بچھی ہوئی تھی۔ بچّہ سے کہا۔ لو ایک لیجا کر دیدو۔" بچّے نے اشرفی اٹھالی اور جاکر دیدی۔ چچی نے ہزاروں دعائیں دیں۔ ادھر باپ ہنسا ادھر ماں کو بھی ہنسی آگئی۔ تو بیوی ایسا اللہ آمین کا بچّہ جب ماں مرگئی ہے تو ڈپٹی صاحب نے سگی سالی نصیرہ بیگم سے نکاح کیا اور یہ سمجھ کر کہ حقیقی خالہ ہے اس سے اچھی پرورش بھانجے کی کون کرے گا۔ میکہ بھی نصیرہ کا کچھ ایسا کھاتا پیتا نہ تھا۔ باپ تو تھے ہی نہیں۔ ایک ماں موجود تھیں یا دو چھوٹے چھوٹے بھائی۔ مگر خدا اس بیٹی کو کروٹ کروٹ جنّت نصیب کرے۔ جب تک جی ایسا میکہ کا بھرنا بھرا کہ واہ واہ۔ اسی نصیرہ کو کو راپنہ میں اتنا دیا ہے کہ باپ بھی ہوتا تو ایسا عیش نہ کرواتا کھانے میں کھانا۔ کپڑے میں کپڑا۔ جہیز میں جہیز۔ سبت میں سبت اس مرنے والی کے حلق سے بغیر اس بہن کے کوئی چیز ہی نہیں اترتی تھی۔ ہم تو دونوں وقت یہی دیکھتے تھے کہ بھرے ہوئے خوان چلے آرہے ہیں۔ الغاروں کپڑا۔ منوں اناج۔ سیروں گھی۔ ریشمی تھان ثابت ثابت چکن کے دوپٹے۔ کورے کورے ٹھپّے اور مصالحے جو ہے وہ بہن کو۔ ذاکرہ کی زندگی تک تو بی نصیرہ کا یہ حال رہا کہ بھانجے کی پروانہ تھیں ایک دن وہ نہ آتا تو دیوانوں کی طرح پھرتیں۔ مگر نکاح کا ہونا تھا کہ بھانجہ زہر معلوم ہونے لگا۔ اور اپنے ہاں تو بچہ کیا ہونا تھا کہ ظالم اس بدنصیب کی جانی دشمن ہوگئی لاکھ باپ فریفتہ تھا مگر ہر وقت کا لگانا اور اکسانا۔ ایسی نفرت ہوئی کہ بات بھی نہ پوچھتا ہر وقت اس کا بچّہ ماجد تھا اور بس۔ مہینوں آنکھ اٹھا کر بھی ساجد کو نہ دیکھتا سچ یہ ہے کہ یہ کانٹا شروع ہی سے نصیرہ کے دل میں کھٹک رہا تھا اور اسی

فکر میں تھی کہ کسی طرح اس کا خاتمہ کردوں۔ مگر موت نہ تو ڈپٹی صاحب کے ہاتھ میں تھی نہ نصیرہ کے۔ ہاں اتنا اس نے کر دیا کہ اگر کبھی ساجد نظر بھی آتا تھا تو باپ کی آنکھوں میں اُسے دیکھ کر خون اتر آتا۔ بن ماں کے بچّوں کی ظالم سوتیلی ماؤں کے ہاتھوں جو گت بنتی ہے وہ ظاہر ہے مگر ساجد بدنصیب کا ٹھڈا خالہ کی بدولت ایسا ہوا کہ خدا دشمن کے بچّوں کا بھی ایسا نہ کرے۔

ساجد کے پھٹے پرانے کپڑے۔ گھٹی گھٹائی جوتی میلی کچیلی ٹوپی۔ بچا بچایا کھانا اس غریب کو ملتا۔ اور دن بھر اس کے پیچھے غلاموں کی طرح "چھوٹے میاں چھوٹی میاں" کہتا پھرتا۔ اتنی مجال نہ تھی کہ نصیرہ کو خالہ کہہ سکتا بیگم صاحب کہہ کر پکارتا اور وہ تنگ دل خوش ہوتی۔ ساجد کے نواڑی کھٹولے تین تین موجود رہتے۔ مگر وہ مصیبت زدہ ایک جھلنگے پر پڑتا اور رات بسر کرتا۔ ساجد کے بعد سوتا اور پہلے اٹھتا۔ اگر اس کی آنکھ نہ کھلتی تو جاڑے کے دنوں میں شفق انقلاب ٹھنڈے پانی کا کٹورا اوپر سے ڈال دیتی عیدیں اور بقرعیدیں آئیں اور جائیں۔ شادیاں اور بیاہ رچتے اور گزرتے۔ لیکن بن ماں کے بچّے کو کوئی دو پیسہ کی ٹوپی لا کر دینے والا بھی نہ تھا سینکڑوں روپیہ کا سودا گھر میں آتا مگر خالہ کے ڈر کے مارے وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا۔ میاں بیوی اور ساجد اندر کے دالان میں بیٹھتے اور ساجد باہر بیٹھا اپنی تقدیر پر روتا۔ خدا ایسے باپ کو دوزخ میں بھی چین نہ دے۔ چھ برس کا بچّہ سالن کی پتیلی باورچی خانہ سے لاتا اور وہ دیکھتا۔ ساجد بے گناہ بے قصور اس کے تھپڑ لگاتا۔ سید مارتا اور باپ ہنستا۔ نصیرہ میاں کے سامنے محض اتنی سی بات پر کہ اُس نے لوٹا بھرنے میں دیر کی چٹکیاں لیتی۔ طمانچے مارتی اور اس کو خیال نہ ہوتا۔ دو سال کے قریب ساجد کی زندگی اسی طرح گذری اور ساجد کی ختنوں کی شادی ٹھہری۔ تیاریاں دھوم دھام سے ہوئیں ڈھائی ہزار روپیہ کا کپڑا آیا۔ مگر ساجد بدنصیب کی تقدیر میں

ایک پیسہ کا نہ تھا۔ اس کو اتنا بھی حکم نہ تھا کہ وہ کپڑا دیکھنے وقت وہاں کھڑا ہو جاتا۔ مگر بچہ تھا وہاں جا کھڑا ہوا۔ ماجد کے کپڑے دیکھ دیکھ کر ماں اور باپ دونوں باغ باغ ہو رہے تھے اور ساجد ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ دو دفعہ نصیرہ نے اس کو گھورا کہ وہ چلا جائے مگر کم بخت نہ سمجھ سکا۔ نصیرہ کو ناگوار تو بہت ہوا مگر اپنے ہاتھ سے سزا دینی مناسب نہ سمجھی اور اس تاک میں رہی کہ باپ سے پٹواؤں۔ عین چھٹی کے روز جب تمام گھر میں جھاڑ فانوس رکھے ہوئے تھے ساجد نے کسی بات پر ماں سے بگڑ کر جھاڑ میں لکڑی ماردی۔ شیشہ کا جھاڑ چیز ہی کیا تھی چھن سے ٹوٹ گیا۔ ماں "لے ہے" کہہ کر اٹھی مگر وہ ہنستا ہوا بھاگ گیا۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد ڈپٹی صاحب نے آکر دیکھا کہ جھاڑ ٹوٹا پڑا ہے۔ ڈیڑھ سو روپے کا جھاڑ کچھ کم نہ تھا۔ بہت رنجیدہ ہوئے بیوی سے پوچھا "اس پر کیا مصیبت پڑی؟"

نصیرہ "کیا بتاؤں مجھ ہی سے ٹوٹا ہے۔"

میاں "آخر بتاؤ تو سہی بتانے میں کیا حرج ہے۔ کیا تم بچہ ہو جو تم سے ٹوٹ گیا؟"

نصیرہ "میرے سر کی قسم کھاؤ کچھ نہ کہو گے؟"

میاں "میاں اچھا تم بتاؤ تو سہی؟"

نصیرہ "کیا بتاؤں میں تو اسی واسطے تم سے کچھ کہتی نہیں کہ میرا نام بدنام نہ ہو پہلے ہی سب نے مجھ کو نکو بنا رکھا ہے ساجد نے لکڑی ماری۔ مارتا مجھ کو تھا۔ اللہ کی قسم مجھے تو خبر بھی نہیں کہ روٹی کا دسترخوان کہاں رکھا ہے۔ وہ تو خیر یہ اچٹتی ہوئی لگی۔ تقدیر کا خون بہنا تھا بہہ گیا۔ مگر جھاڑ کی قضا آئی تھی وہ ٹوٹ گیا۔"

جھاڑ تو خیر ٹوٹا ہی تھا۔ ساجد کی یہ ہمت کہ چہیتی بیوی پر لکڑی اٹھائے۔ مارے اور خون بہائے غصہ میں دیوانے ہو کر ڈپٹی صاحب اٹھے تو مکار خالہ نے ہزاروں قسمیں

اپنے سر کی دیں۔ جانتی تھی کہ داؤں پورا ہو گیا۔ اب کیا کسر رہی۔ وہی ہوا اُٹھے۔ انگنائی میں ساجد بے خبر بیٹھا اپنے پھٹے ہوئے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ بے دردی سے بازو پکڑ کر لائے مار ا جتنا مار سکتے تھے۔ اور شہر سے باہر لا کر چھوڑ گئے۔

رات بدنصیب بچہ کو آغوش میں لینے کے لئے اس کے سر پر آئی۔ تارے اس کی بدنصیبی پر روئے۔ چاند نے اس کی حالت زار پر آنسو گرائے۔ ہوا نے شفقت بھرے منہ سے اس کا منہ چوما اور چاندنی بن ماں کے بچہ پر محبت کا ہاتھ پھیرتی رہی۔ ساجد مصیبت کا مارا چاروں طرف دیکھتا۔ مگر آدمی کی آواز تھی۔ نہ سانس کی۔ معصوم روح کانپی اور ننھا سا دل لرزا۔ آگے بڑھا اور ٹھٹکا جس طرف جاتا تھا بیکسی اس کے ساتھ تھی ننھا سا دل ڈر کے مارے کانپ رہا تھا۔ قدرت کی تمام کائنات سنگدل انسان اور جفا کار نصیرہ پر ملامت کرتی ہوئی خاموش ہو گئی۔ چاند چھپ گیا۔ تارے ماند ہوئے اور ہوا ساکت رہ گئی۔ آسمان نے کروٹ بدلی۔ بادل معصوم کی بے گناہی پر رونے لگے، اور آدھی رات کے سنسان وقت میں جب زور شور کی بارش ہو رہی تھی اور بن ماں کا چھ برس کا معصوم جنگل بیابان میں تن تنہا بیٹھا ڈر کے مارے کانپ رہا تھا۔ ایک سانپ نے اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

یہ وہ وقت تھا جب نصیرہ بیگم کا گھر مہمانوں سے کھچا کھچ بھر رہا تھا۔ میراثنیں لہک لہک کر گا رہی تھیں۔ نصیرہ دن بھر کی تھکی ہاری دو دن کی جاگی اس خیال سے کہ ذرا کمر سیدھی کر لوں اپنے پلنگ پر جا کر لیٹی۔ لیٹتے ہی سامنے کی دیوار پر ایک روشنی میں ایک انسانی صورت دیکھی۔ گھبرا کر اٹھی۔ ڈری اور پوچھا "کون؟"

روشنی:۔ میں تیری حقیقی بہن ذاکرہ بدنصیب کی روح ہوں۔ اور مظلوم معصوم ساجد کی ماں۔ تجھ کو یہ عیش کی گھڑیاں مبارک۔ تیرے لال کے کھیڑے بسیں۔ تیرا سہاگ ہمیشہ قایم رہے تو دودوں نہائے پوتوں پھلے۔ مگر نصیرہ میری محبت اور

خدمت اس کی مستحق نہ تھی جو تو نے میرے لال کے ساتھ کیا! تو بیگم ہے۔ اس گھر کی مالک ہے مجھے تجھ سے کچھ کہنے کا حق نہیں۔ میں اپنی زندگی پوری اور اپنی دنیا طے کر چکی۔ میرا نمونہ تیرے سامنے ہے۔ میں ہمیشہ مظلوموں سے ڈری مصیبت زدوں سے جھکی یتیموں سے رلی۔ رانڈوں سے جلی۔ غرض میری زندگی کا مقصد صرف بندگانِ خدا کی خدمت اور حاجتمندوں کی اعانت رہا۔ پھر بھی صدا خوف خدا سے کانپی اور موت سے لرزی۔ میرے پاس مغفرت کا کوئی سامان نہ تھا۔ دوزخ کے شرارے اور آگ کی لپٹیں مجھے جھلنے کو تیار تھے۔ قبر اپنا ہولناک منہ کھولے مجھے نگلنے کو موجود تھی۔ تم سب عزیزوں نے مجھے نہلا دھلا کر رخصت کیا اور میری تمام محبت ختم کر دی۔ مردوں نے مجھے سپرد زمین کیا اور اپنا منہ موڑا۔ بڑا نازک وقت تھا میں تھی اور عمر گذشتہ کے ہر فعل کی جواب دہی۔ ہر عمل کی باز پرس ہر کام کی ذمہ داری۔ ہر قول کی جانچ پڑتال۔ نمازیں دکھاوے کی تھیں۔ اکارت گئیں۔ روزے زبردستی کے تھے بیکار نکلے۔ ہاں اس آڑے وقت میں جب کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ کچھ یتیم لڑکے، کچھ معصوم بچے۔ تھوڑی سی رانڈیں چند مظلوم۔ بعض محتاج جن کو آج دنیا حقارت سے دیکھتی اور نفرت سے رکھتی ہے میری مدد کو دوڑے۔ یہ پاک روحیں عالم بالا میں راج کر رہی تھیں۔ ملک عدم میں ان کا سکہ چل رہا تھا اور اس جہان کی بادشاہی اُن کے قبضہ میں تھی۔ یہاں یہ میرے دست نگر تھے وہاں میں اُن کی محتاج۔ قادر ذوالجلال کی پاک ذات اُن میں شامل تھی۔ اُنھوں نے میرے سلوک کا معاوضہ اور میرے رحم کا بدلہ دیا۔ دوزخ اُن کے اثر سے خاک اور شعلے اُن کے اشارے سے ٹھنڈے ہوئے قبر میرے واسطے گلزار بنی اور میری گنہگار روح جنت الفردوس میں جا پہنچی۔ آج مجھے حکم ہوا تھا کہ میں اس ناپکار دنیا کی کیفیت دیکھوں اور اپنے پیارے ساجد کی روح کے استقبال کو آؤں میں نے جو کیفیت دیکھی بیان نہیں کر سکتی۔ آج تیرے بچے کی شادی ہے اور تو بیگم بنی

بیٹھی ہے۔ نوکر تیری ہُوں پر حاضر۔ مامائیں تیرے اشارے پر موجود اور شوہر تیرے ارشاد پر تیار ہے۔ لیکن بیوقوف بیگم خدا کی ایک مخلوق۔ ایک بھولا بھالا بچہ۔ بن ماں کا لال دو روز معصوم اور تجھ جیسی با اختیار عورت کا مظلوم۔ تیرے چلتر سے باپ کے ہاتھوں جنگل بیابان میں دم توڑ چکا۔ کیوں بیگم! حقیقی باپ اور سگی خالہ یوں عیش کرے اور ساجد آدھی رات کے وقت سنسان جنگل میں اس قیامت خیز بارش میں اکیلا پڑا ہوا دُنیا کو الوداع کہے۔ تیرا بچہ اکیلا دالان سے باہر نہ نکلے اور میرا بچہ تیرے ہاتھوں زندگی کی آخری رات اس طرح بسر کرے۔ تیرے دولہا کے واسطے یہ سینکڑوں آدمی موجود ہوں اور ساجد کے مُردے پر کوئی دو آنسو گرانے والا بھی نہ ہوا۔ دیکھ میرے ہاتھ میں تیرا اعمالنامہ ہے۔ جہاں مظالم کے سوا ایک بھی نیکی نہیں۔ اِدھر دیکھ یہ موت تیرے واسطے مُنہ چیرے کھڑی ہے۔

نصیرہ بیگم! جو ہونا تھا ہوگیا۔ ساجد کی روح جنت میں جا پہنچی۔ اب تیرا اس کا فیصلہ حاکم حقیقی کے سپرد ہے۔ اور وہ وقت دور نہیں جب دُنیا تجھ جیسی ناشاد نامراد ظالم و مکار عورت کو اپنے سے جدا کر دے اور تو اس کا نتیجہ بھگتے۔ دیکھ یہ کیا ہے۔"

نصیرہ بہن کی اس تقریر سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ گھگی بندگئی۔ آواز نکلتی نہ تھی ہاتھ پاؤں جنبش نہ کرتے تھے۔ البتہ آنکھیں اپنا کام کر رہی تھیں۔ اب جو بہن کے کہنے سے نصیرہ اُدھر دیکھتی ہے تو ایک خطرناک دیو جس کی پیشانی پر موت لکھا ہوا تھا منہ کھولے کھڑا تھا۔ ایک چیخ ماری اور بیہوش ہوگئی۔ سارا گھر دوڑ پڑا۔ ہشیار ہوئی تو کچھ نہ تھا۔ وہ روح تھی نہ اس کی تقریر۔ دیو تھا نہ اس کی تصویر۔

تو بیٹی رابعہ اس واقعہ سے میرا مطلب یہ ہے کہ بن ماں کے بچوں کو اپنے بچوں سے زیادہ سمجھنا اور یاد رکھنا کہ ان کی آہ عرش کا کنگورہ ہلا دیتی ہے۔"

(۲۱)

رابعہ کو وداع کرنے کے بعد نسیمہ ھاجرہ کی تربیت پر متوجہ ہوئی۔ ایک روز آسمان پر ابر گھرا ہوا تھا۔ ہلکی ہلکی بوندیاں پڑ رہی تھیں کہ ھاجرہ نے بھاوج سے کہا "بھابی جان آج تو کڑھائی کا دن ہے۔ سہال تلوائیے"۔

نسیمہ "اچھا ایک شرط پر۔ تم بتاؤ کہ مینہ کیونکر برستا ہے۔ بادل۔ پانی بجلی۔ کڑک چمک کیا چیز ہیں۔ تو میں ابھی کڑھائی کا سامان کر دیتی ہوں"۔

ہاجرہ "مجھے تو بھابی جان معلوم نہیں نہ آپ نے کبھی بتایا۔ میں تو اتنا جانتی ہوں کہ بادلوں سے مینہ برستا ہے۔ انہی میں سے بجلی گرتی ہے۔ آپ ایک دفعہ سمجھا دیجیئے۔ پھر میں یاد رکھوں گی"۔

نسیمہ "واہ بی ھاجرہ یہ بھی نہیں معلوم! اچھا پہلے جو بتاؤں اس کو سمجھ کر سمجھا دو۔ پھر کڑھائی سو دفعہ لو"۔

ہاجرہ "فرمائیے"۔

نسیمہ "اچھا یہ تم جانتی ہو کہ پانی میں سے بھاپ نکلتی ہے۔ کبھی چولھے پر پتیلی میں سے نکلتی دیکھی ہوگی۔ وہ کیوں نکلتی ہے۔ گرمی کی وجہ سے۔ تو یہ بھاپ سمندروں میں سے بلکہ ہر گیلی چیز سے گرمی پہنچکر نکلتی ہے۔ سب سے زیادہ سمندروں سے نکلتی ہے کیونکہ دنیا میں پانی سب سے زیادہ ہے غرض سمندروں دریاؤں اور گیلی چیزوں سے بھاپ نکل کر اوپر گئی"۔ یہ بھاپ دیکھتی ہو۔ کتنی ہلکی ہوتی ہے ہلکی ہونے کی وجہ سے ہوا اوپر لیجاتی ہے۔ اس بھاپ کا نام "بادل" ہے۔ جو آفتاب کے عکس سے ہم کو رنگ برنگ دکھائی دیتے ہیں۔ اب یہ بھی تم کو معلوم ہے کہ اوپر سردی یہاں سے زیادہ ہوتی ہے بادل اوپر پہنچے تو وہاں اُن کو خنکی ملی اور اس خنکی پانے سے وہ برسنے شروع ہوئے جب خنکی بہت زیادہ ہوتی ہے تو بھاپ جم گئی اور اس جمی ہوئی

چیز کا نام "اولا" ہے جو پانی کے ساتھ ہے۔ جاڑوں میں تم نے دیکھا ہوگا کہ صبح کے وقت تمام آسمان پر کہر ہوتا ہے یہ بھی وہی بھاپ ہے اتنا تو تم اچھی طرح سمجھ گئیں کہ مینہ اور بادل، اولا کیا چیز ہے۔"

ہاجرہ "جی ہاں۔ یہ تو خوب اچھی طرح سمجھ میں آگیا۔"

نسیمہ "اچھا اب آگے چلو۔ بجلی کیا چیز ہے۔ یہ تم کو میں پہلے بتا چکی ہوں کہ دو چیزوں کے رگڑنے سے چمکارا پیدا ہوتا ہے۔ ہزاروں دفعہ تم نے دیکھا ہوگا دو پتھر رگڑے ان سے کچھ چمک پیدا ہوئی۔ یہ اصل میں گرمی ہوتی ہے۔ جو ہر چیز میں ہے۔ برف تک میں ہے تو بادلوں میں جو گرمی ہوتی ہے اس کا نام "بجلی" ہے تم نے سنگِ مقناطیس دیکھا ہے۔ اِس کی طرف لوہا کھنچا آتا ہے۔ اسی طرح اگر دو چیزیں، کم گرمی اور زیادہ گرمی کی برابر رکھو تو زیادہ گرمی سے گرمی نکل کر کم گرمی میں آجائے گی۔ پس بادلوں میں وہ گرمی جب ایک سے نکل کر دوسرے میں جاتی ہے اس کا نام "کڑک" ہے جب بادل زمین کے قریب ہو تو نزدیکی کی وجہ سے زمین اس گرمی کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور اسی کا نام بجلی گرنا ہے۔"

ہاجرہ "بھابی جان ان باتوں کو سُن کر تو اچنبھا سا معلوم ہوتا ہے۔ پہلے تو میں کچھ اور ہی سمجھ رہی تھی۔"

نسیمہ "تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ زمین جو اتنی بڑی ہے۔ سورج سے چھوٹی ہے اور تارے جو اتنے چھوٹے نظر آتے ہیں۔ یہ بھی زمین سے بڑے ہیں۔ آفتاب ہم سے پونے پانچ کروڑ کوس دور ہے۔ چاند زمین سے چھوٹا ہے اور ایک لاکھ بیس ہزار کوس دور ہے۔ آفتاب تو روشن ہے مگر چاند میں بالکل روشنی نہیں ہے۔ وہ صرف سورج کی روشنی پڑنے سے روشن ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض تارے بھی ہیں۔ یوں تو سب تارے ان میں چمکدار ہیں مگر بعض ان میں بے نور ہیں اور جس طرح آفتاب کی شعاع سے زمین

چمکتی ہے۔ اسی طرح وہ بے نور تارے دھوپ پڑنے سے ہم کو چمکدار نظر آتے ہیں تم کو میں بتا چکی ہوں کہ زمین گول ہے سورج کے سامنے جس طرف سے ہوئی وہاں "دن" ہوا۔ دوسری طرف اندھیرا یعنی رات۔ دن کو جو تارے ہم کو چمکتے ہوئے نظر نہیں آتے اس کی وجہ یہ ہے کہ آفتاب کی شعاعیں اتنی تیز اور روشن ہوتی ہیں کہ تارے بالکل مدہم ہو جاتے ہیں نہ وہ خود نظر آتے ہیں نہ ان کی روشنی۔ ایک بات اور سن لو۔ قدرت کے اس تمام انتظام میں ایک چیز "کشش" بھی ہے۔ زمین ہر چیز جس طرح اپنی طرف کھینچتی ہے۔ کیونکہ جو چیز تم اوپر سے پھینکو وہ نیچے گرے گی یا اچھالو تو نیچے آئے گی۔ اسی طرح یہ چاند ستارے سورج سب آپس میں ایک دوسرے کو کھینچ رہے ہیں۔ زمین سمیت گیارہ ستارے ہیں جو آفتاب کے گرد گھوما کرتے ہیں۔ زمین ایک گھنٹہ میں اٹھاون ہزار میل کے قریب چکر کر جاتی ہے تحقیقات سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ستاروں میں دنیا بسی ہوئی ہے۔ پہاڑ وہاں ہیں۔ بادل وہاں ہیں۔ برف وہاں، ہوا وہاں، یہ بھی سن لو کہ جب سورج اور چاند کے بیچ میں زمین گھومتی ہے تو "چاند گہن" ہوتا ہے اور جب سورج اور زمین میں چاند آپڑے گا تو "سورج گرہن" ہو جائے گا۔

اتنا تو تم کو معلوم ہے کہ ہلکی چیز اوپر جلدی آجاتی ہے۔ اگر کسی برتن میں تیل اور پانی ہو تو اس لئے کہ تیل ہلکا ہوتا ہے اور پانی بھاری تیل تیر کر پانی کے اوپر آجائیگا۔ اگر کسی برتن میں پھونس بھرا ہوا ہو اور اس میں پانی ڈالو تو پانی کے اوپر پھونس کے تنکے تیل کی طرح تیرنے لگیں گے کہ وہ پانی سے ہلکے ہیں۔ کنکوے یا پتنگ کو دیکھو کس طرح ہوا میں اڑتا ہے۔ اگر حساب کرو تو معلوم ہو کہ اس کاغذ نے کتنی ہوا کو گھیرا۔ غرض جتنی ٹھس چیز ہو گی۔ اسی قدر اس پر کشش کا اثر زیادہ ہو گا۔ اگر پتنگ کو ہوا میں اڑا کر چھوڑ دو تو کچھ دیر بعد وہ بھی نیچے گرے گی لیکن بھاری چیز جلد آپڑتی ہے۔ کیونکہ اس پر کشش کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ ہوا میں بھی وزن ہوتا ہے۔ ظاہر میں چاہے

نہ معلوم ہو لیکن غور کرنے سے پتہ چلا ہے کہ ایک روپیہ بھر جگہ میں کچھ نہیں تو پانسیر ہوا تو ہوگی۔

اچھا یہ سنو کہ مقناطیس کو تو تم نے دیکھا ہوگا اس میں یہ خاصیت ہے کہ لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ بلکہ اگر کوئی مقناطیسی لوہے کی ایک لمبی سی بنالے تو اس کا ایک حصہ شمال کی طرف اور ایک جنوب کی طرف رہے گا۔ یہی کیفیت "قبلہ نما" کی ہے۔ اگر رات بے رات کو جنگل میں۔ پہاڑ پر۔ چاہے کسی جگہ پر ہو سمت معلوم کرنے کی ضرورت ہو۔ تو اس سے فوراً معلوم ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کا رُخ ہمیشہ قبلہ کی طرف رہے گا۔

یہ بہت موٹی موٹی باتیں ہیں جو میں نے اس وقت تم کو بتائیں۔ آؤ لگے ہاتھوں تم کو کچھ مختصر سی کیفیت "رنگوں" کی بھی بتادوں۔ دُنیا سمجھتی ہے کہ بیسیوں رنگ ہیں۔ لیکن حقیقت میں رنگ صرف تین ہیں۔ سُرخ۔ زرد اور نیلا۔ باقی جتنے بھی رنگ ہیں سب اِن ہی تین رنگوں سے بنتے ہیں اور سب رنگ مل کر سفید رنگ بنتا ہے۔ تم نے برسات کے دنوں میں آسمان پر کمان جو نکلی دیکھی ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی کی بہت چھوٹی چھوٹی بوندیں رہ جاتی ہیں جہاں سورج سامنے آیا اور اس کی شعاع اِن بوندوں میں رنگین دکھائی دینے لگی۔

ایک بات اور بتاتی ہوں۔ یہ تو بارہا دیکھا ہوگا کہ ہم گاڑی یا ریل میں بیٹھے جارہے ہیں اور باہر گردن نکال کر جو دیکھا تو ایسا معلوم ہوا کہ زمین بے تحاشا بھاگی چلی جارہی ہے۔ لیکن اصل میں زمین نہیں بھاگتی بلکہ ہم خود گاڑی یا ریل میں بھاگے جاتے ہیں۔ اور بھاگتی زمین معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح جب کبھی چاندنی رات میں بادل کے ٹکڑے آسمان پر ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چاند زور سے بھاگ رہا ہے۔ کبھی اس بادل سے نکلا اس بادل میں گیا کبھی اس میں سے نکلا اور میں گیا۔

لیکن یہ بھی وہی بات ہے۔ چاند تو بالکل نہیں صرف ہوا بادلوں کو اڑائے جاتی ہے۔
کبھی چاند ان میں چھپ جاتا ہے اور جب وہ آگے بڑھ جاتے ہیں تو نکل آتے ہیں۔
لیکن ریل اور گاڑی کی طرح معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چاند چل رہا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔

ہاجرہ:۔ "اچھا تو بھابی جان آپ نے جو کچھ فرمایا۔ سب مجھ سے حرف بحرف سن لیجئے۔ اور پھر کڑھائی کا سامان منگوائیے"۔

جب ہاجرہ نے تمام باتیں اچھی طرح سنا دیں تو اپنے قول کے بموجب نسیمہ نے کڑھائی منگوا دی۔

(۴۴)

برسات کے دن تو تھے ہی۔ ہلکی ہلکی بوندیاں دن بھر پڑتی رہیں شام کو سویرے ہی سے نسیمہ نے پلنگ اندر بچھوا لئے۔ عشاء سے فارغ ہو کر دونوں نند بھاوج جب لیٹیں۔ تو نسیمہ نے کہا:۔ "بیٹی ہاجرہ! میں نے تم کو اس دن بتایا تھا کہ بیوی ہونے کی حیثیت سے عورت میں کیا کیا عیوب ایسے ہوتے ہیں جو اس کو بدترین بیوی بنا دیں مگر وہ مضمون پورا نہ ہوا۔ اور تمہارے بھائی صاحب آ گئے اور میں ان کو کھانا دینے میں مصروف ہو گئی۔ ایک عیب عورت میں اس کی فضول خرچی بھی ایسا ہے جو اس کے واسطے سو عیبوں کا عیب اور ہزار برائیوں کی برائی ہے۔ مجھے تو تعجب ہوتا ہے ان بیویوں پر جو اپنے عیب سے باز نہیں آتیں اور فضول خرچی کو نہیں چھوڑتیں۔ وہ اگر خود روپیہ کمائیں تو ان کو معلوم ہو کہ کس محنت اور مصیبت سے ایک پیسہ ہاتھ آتا ہے تم خود ہی غور کرو اور انصاف کرو کہ ایک مزدور جلتی بلتی دھوپ میں لو کے گرم تھپیڑوں میں دن بھر سر پر ٹوکری ڈھو کر کوٹھے پر چڑھتا اور اترتا ہے جب ہم اس کو شام کے وقت چار آنے دکھاتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ ہمارے شوہروں کو بھر بھر جھولی روپے دیتے ہیں وہ ان سے کیسی کچھ مشقت نہ لیتے ہوں گے۔ کوئی اپنا پیسہ مفت نہیں دیتا۔

مرد مرد سب برابر ہیں کسی نے نوکری ڈھونڈ کر کھائی کسی نے قلم چلا کر۔ مفت نہ اُس کو کوئی دیگا نہ اس کو بیچارے مزدور کے واسطے تو اتنا آرام ہے کہ وہ مزدوری کے بعد رخصت ہوا تو بیفکری کی نیند سو گیا۔ لیکن ہوا

جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے

جتنی زیادہ تنخواہ اتنی زیادہ ذمہ داری۔ رات کو سوتے ہیں تو ڈر ہے کہ کہیں فلاں کاغذ چور نہ لیجائے۔ صبح کے کھانے میں دیر ہوئی تو دل ہول رہا ہے کہ صاحب نہ آگئے ہوں۔ کیا ملازمت سے بدتر بھی کوئی پیشہ ہو سکتا ہے۔ جیسے تمھارے آگے یہ کمبخت نصیباً اسی طرح کلکٹر صاحب کے آگے تمھارے بھائی ہیں۔ میں نے خود اپنی آنکھ سے ایک دفعہ دیکھا ہے کہ غلاموں کی طرح ہاتھ باندھے "حضور حضور" کہہ رہے تھے۔ جی میں خوش ہو نے تحصیلدار سمجھ لو یا ڈپٹی مگر اصلی کیفیت تو میری بٹی یہ ہے کہ نوکری کیا غلامی ہے۔ دس روپیہ زیادہ تنخواہ پانے والا بھی افسر ہے۔ جہاں اُس نے آواز دی اور جھٹ حاضر ہوئے۔ تمھاری ماما تو شاید ایک آدھ مرتبہ ٹال جائے اور اگر زیادہ کہو سکو تو ٹکرا تو ڑ جواب دیدے کہ "بیوی اپنی نوکری طے کر رکھو۔ میرے ہاتھ پاؤں سلامت رہیں۔ نوکریاں بہیں بیگم ہاتھ بیچے ہیں کوئی ذات تھوڑی بیچی ہے"۔ مگر ان مردوں بیچاروں کی ہرگز اتنی ہمت نہیں کہ اُف کر سکیں۔ خود میرے ابا جان پر یہ گذر چکی ہے کہ صاحب نے صبح ہی دورہ پر چلنے کا حکم دیا۔ رات کو چچی جان کا انتقال ہوا۔ صبح ہی صاحب سے کہنے گئے۔ مگر انھوں نے خاک نہیں سُنا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مُردہ گھر میں بے گور کفن پڑا رہا اور وہ نوکری کی وجہ سے روانہ ہوئے۔ صاحب مہربان تھا تھوڑی دُور جا کر کہا: "اچھا تم اپنی چچی کو دفن کر دو۔ مگر یاد رکھو نوکری سے اِن باتوں کا کوئی واسطہ نہیں تمھاری چچی مر گئیں تو ہم کو کیا۔ اُن کا کوئی احسان ہم پر نہیں جس کے بدلے آج ہم اُن سے ہمدردی کریں"۔ سو میری جان اب سمجھ لو کہ نوکری کیسی چیز ہے اور یہ غریب مرد کس مصیبت سے اپنی تنخواہ

ہمارے سامنے لاکر رکھ دیتے ہیں۔ مگر میں تو پھر بھی کہوں گی کہ شاباش ہے ان بیویوں پر جو ایسے گاڑھے پسینہ کی کمائی اور اس محنت و مشقت کی روزی کی قدر نہ کریں اور دریا دلی سے لٹا دیں۔ یہ ہرگز بیویاں کہلانے کی مستحق نہیں بلکہ دوست کے پردے میں دشمن یا بیوی کی حیثیت میں سوکن ہیں۔ فضول خرچی ایسی ظالم چیز ہے جس کی بدولت ہزاروں خاندان برباد ہوگئے اور اس کی ذمہ دار زیادہ تر بیویاں ٹھیریں۔ اسی سے ھاجرہ مجھ کو اپنی ایک سہیلی کا واقعہ یاد آگیا۔ خیال آتے ہی بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ خدا دشمن کو بھی ایسی کم بخت بیوی نہ دے۔ یوں تو پڑھی لکھی صورت شکل کی اچھی سب صفتیں موجود تھیں مگر ایک فضول خرچی نے وہ گت بنائی کہ الٰہی توبہ!

میاں ماشاءاللہ ڈیڑھ سو روپے کے نوکر تھے اور فقط ڈیڑھ سو ہی نہیں اوپر سے کچھ نہ کچھ مل جاتا مگر اتنے سیدھے کہ ایسا آدمی دیکھا تو کیا سنا بھی نہیں۔ پہلی کی پہلی تنخواہ لانی اور بیوی کے ہاتھ میں دیدینی۔ بس ان سے تنخواہ کا واسطہ فقط اتنی دیر رہتا کہ کچہری سے گھر تک لے آئے۔ جو کھانا بیوی نے آگے رکھدیا وہ کھا لیا۔ جو کپڑا پہنا دیا وہ پہن لیا۔ کبھی اللہ کے بندے نے الٹ کر بات پوچھی ہی نہیں۔ کھدی ململ ہوئی تو واہ واہ اور مونگ کی دال ہوئی تو سبحان اللہ بیوی بے ڈھنگی فضول خرچ تو ازلی تھیں۔ میاں کی اس غربت نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا۔ جو چاہتیں وہ کرتیں، جو جی میں آتا وہ اڑاتیں۔ بچے گنتی میں تو چھ تھے مگر سب چھوٹے۔ کیا کہتے کیا سنتے۔ گھر کا یہ رتبہ۔ ڈیڑھ سو روپے کے تنخواہ دار کی بیوی۔ ہاتھ پکڑا نہ پاؤں پکڑا۔ سونے کا تار نہ چاندی کا چھلا۔ آرام طلبی کی کیفیت یہ کہ پلنگ پر چھپا چاہا۔ بچوں کے کپڑے چکٹ۔ مگر ماما ایک چھوڑ دو دو موجود۔ رات کو جاڑوں میں سکڑ کر پڑ گئے تو بلا سے مگر لحاف کے بدلے ایک روپیہ کی برف دن کو کھالی۔ زبان کا وہ چٹخارہ کہ کوئی سودے والا ہو گلی میں سے خالی نہ جانے۔ فقیروں کا گھر کہ دری نہ چاندنی الٹو ٹے بوریے

میلی کچیلی پھٹی پھٹائی دقیانوسی چادر۔ ذلیلوں کے بچے۔ کرتہ ٹوپی جوتہ نہ اچکن۔ کھلے۔ جوتی۔ لبیری کرتہ۔ جھیر جھیر ٹوپی۔ ہر چند سارے ہی عزیزوں نے اس نیک بخت کو سمجھایا کہ ماما ئیں الگ کرا ور وہ مثل یاد رکھ" لونڈی بن کمائیے اور بیوی بن کھائیے" مگر اللہ کی بندی کو آرام طلبی کا ایسا چسکا پڑا کہ ہلنا بھی دو بھر ہوگیا۔ پانی تک بھی خود نہ پی تی تھی اور کہتی یہ تھی کہ "کیا کروں مجھ سے کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ کمزوری کی حد ہے۔ کھڑی ہوتی ہوں تو سانس پھول جاتا ہے"۔ مگر سمجھنے کی بات ہے۔ تمام اعضا بے کار چھوڑ دیئے جائیں گے تو وہ آپ ہی رفتہ رفتہ معطل ہو جائیں گے۔

آمدنی ڈیڑھ سو اور خرچ پورا ڈھائی سو اور ایسا بے ڈھنگا کہ تو بہ بھلی لڑکا فیس کے لیے رو رہا ہے وہ نہ دی۔ مگر مرغی پکوالی۔ میاں کچہری جا رہے ہیں۔ پٹاری میں پان نہیں لیکن ان کے پیچھے چار آنے کے کچالو اور دہی بڑے چٹ کر لیے۔ جب دیکھا کہ اس بھاگوان پر نہ کہنے کا اثر نہ سمجھانے کا نتیجہ تو سب خاموش ہو گئے وہ اللہ کی بندی دن دونی رات چوگنی ہوتی گئی۔ انجام یہ ہوا کہ اٹھارہ برس کی نوکری میں اللہ کی بندی ساڑھے پانچ ہزار کی قرضدار ہوگئی اور مزا یہ کہ میاں بدنصیب کو خاک خبر نہیں۔ وہ بیچارے اگلے زمانے کے آدمی جن کو تقاضے سے نفرت۔ قرض سے وحشت ان کو کیا خبر کہ بیوی یہ گل کھلائے بیٹھی ہیں۔ بنا ہوا زمانہ تھا۔ ساکھ بندھی ہوئی تھی۔ دنیا جانتی تھی کہ سرشتہ دار کی بیوی ہے۔ روپیہ دودھ پیتا ہے۔ جو منگوایا آنکھ بند کر کے بھیج دیا۔ مگر جب میاں کی پنشن ہوئی اور کام دوسرے کے سپرد کر دیا تو وطن چلنے کی تیاری ہوئی۔ ایسے سیدھے اور سچے مسلمان پر ساری بستی جان چھڑکتی تھی سینکڑوں آدمیوں کا مجمع اسٹیشن پر پہنچانے کے وقت تھا۔ "اترا تھا مرد کہ نام" جنہوں کو اب کیا ضرورت تھی کہ مروت کرتے اور چپ رہتے۔ عین اس وقت جب ٹکٹ خرید رہے تھے بھولا بنئے نے آکر کہا "سرکار تشریف لیجا رہے ہیں میرا حساب صاف کرتے جائیے"۔

بیچارے سررشتہ دار اس شان کے آدمی کہ مقروض کے پڑوس میں رہنا بھی گناہ سمجھیں بالکل دنگ رہ گئے اور پوچھا "بھائی کیسا حساب؟"

بنیا:۔ "سرکار بتیس سو روپیہ ہے۔ کہا کہوں ذرا آج کل کام کاج ایسا ہی چل رہا ہے نہیں تو کچھ بات نہ تھی۔"

چپڑاسی:۔ (آگے بڑھ کر) "حضور کے اسباب کی قرقی کا وارنٹ یہ میرے پاس اس نئے دعوے کا ہے جو ارشاد ہو وہ تعمیل کروں۔"

بیوی خوش خوش اسٹیشن پر سے مٹھائی خرید رہی تھیں کہ میاں بدنصیب نے جا کر پوچھا۔ جواب کیا دے سکتی تھیں۔ روانگی کے واسطے بتیس روپے بھی نہ تھے۔ چپڑاسی نے سارا اسباب اپنے قبضہ میں کیا۔ جو گٹھریاں ریل میں رکھدی گئی تھیں وہ بھی اتروالیں۔

جس قدر آدمی سررشتہ دار صاحب کو پہنچانے آئے تھے اس حالت کو دیکھکر سناٹے میں رہ گئے اور سمجھ گئے کہ ایک فضول خرچ بیوی کے ہاتھوں ایسے سیدھے اور عزت دار آدمی کی یہ بے عزتی ہوئی۔ سررشتہ دار صاحب کی آنکھ سے اس وقت آنسو نکل پڑے۔ بیوی سے صرف اتنا کہا "تم نے جو کچھ کیا اچھا کیا مگر میری سپید ڈاڑھی اب اس لائق نہیں کہ دنیا کو منہ دکھا سکوں" اتنا کہا اور سامنے کے کنوئیں میں جا کر ڈوب مرے۔

ہاجرہ پیاری! خدا ایسی بدنصیب اور بیہودہ بیویوں سے سب کو بچائے۔ جن کی وجہ سے تمام خاندان بدنام ہوا اور جو باپ دادا کی عزت پر اتنا بڑا دھبہ لگا دیں بیٹی یاد رکھو کہ اس کمبخت فضول خرچی کے مرض سے ہمیشہ بچنا اور جو کچھ خدا دے اپنی تمام ضرورتیں اسی میں پوری کرنا۔

(۲۳)

محلہ میں ایک انجمن "خواتین اسلام" کے نام سے تقریباً دو سال سے کام کر رہی تھی اس کے سالانہ جلسہ میں نسیمہ کی صدارت تجویز ہوئی اور یہ اعلان کیا گیا کہ میاں بیوی کے

تعلقات پر جس کی بحث سب سے بہتر ہوگی اُس کو ایک سونے کی گھڑی انعام دی جائیگی۔ زور شور سے تقریریں ہوئیں اور دھوم دھام سے جلسہ ہوا۔ آخری روز جس دن جلسہ ختم تھا۔ تقریر صدارت تھی۔ نماز عشاء کے بعد نسیمہ بیگم نے یہ تقریر کی۔

"بہنو اور بیٹیو! مجھ کو تمہارے اس کامیاب جلسہ میں شریک ہونے سے جس قدر خوشی ہوئی میں اس کو بیان نہیں کرسکتی۔ میں تم سب کی ممنون ہوں کہ مجھ کو صدارت کی کرسی عنایت فرما کر میری قدر افزائی کی۔ بہنوں نے جس قابلیت سے شوہر بیوی کے تعلقات پر بحث کی ہے وہ یقیناً قابل داد ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں جو کچھ اس وقت خرابی ہے اس کی جڑ صرف میاں بیوی کے تعلقات کی کشیدگی ہے اور آئندہ کی تمام فلاح و بہبود کا انحصار اسی اصول پر ہے۔ بچے ماؤں کی گود میں پرورش پاکر ان ہی کی خوبو اختیار کرتے ہیں اور ماں باپوں کو لڑتا جھگڑتا دیکھ کر ان ہی کی عادت و اطوار سے سبق سیکھتے ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ جن میاں بیوی میں سلوک نہیں وہ صرف اپنی ہی زندگی برباد نہیں کر رہے بلکہ اپنے بچوں کی بھی مٹی پلید کر رہے ہیں خاندان اُن کے ہاتھوں تباہ ہوتے۔ عزتیں اُن کے طفیل برباد ہوتی ہیں اور بڑوں کی تمام عزت و آبرو رکھی رکھائی محض ایک کشیدگی کے ساتھ رخصت ہوجاتا ہے۔ لیکن جب اس کی اصل وجہ کو دیکھتے ہیں تو ہم کو سب سے پہلے ماں باپ کی ذمہ داری کو ٹٹولنا پڑتا ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ جب ہم بیٹیوں کو اُن کے فرائض پر متوجہ کریں تو اس غفلت کو قطعی اڑا دیں۔ جو والدین نے ان کے معاملہ میں برتی اور اسی غفلت سے وہ مرض پیدا ہوا جس کا علاج نہیں وہ بخار چڑھا جس کو شفا نہیں۔ وہ آفت آئی جس کا چارہ نہیں اور وہ مصیبت آئی جس سے چھٹکارا نہیں۔ یہ وہ غفلت ہے جو عام طور پر کی جا رہی ہے گو زمانہ کی ضروریات با فطرتاً اس غفلت کا خاتمہ کردے اور اکثر موقعوں پر اس کے بُرے بُرے نتیجے نہ پیدا ہوں

لیکن جہاں یہ گھُن لگ گیا وہاں اِس نے ایسی ایسی جڑیں کھوکھلی کیں کہ تنا ور درخت اور
عظیم الشان شہتیر دیکھتے ہی دیکھتے دھم سے آپڑے۔ تم میں سے اکثر بیویاں ہیں بہت
سی مائیں اور بعض بیٹیاں کوشش کرو کہ نقص دُور ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ شادی کے
کے وقت دُنیا بھر کی چھان بین۔ ذات زمات۔ تعلیم و تموّل۔ شرافت۔ نجابت یہ وہ۔
غرض سارے جہاں کے بکھیڑے طے ہوتے ہیں۔ مگر دیکھنے کے قابل سب سے پہلی بات
یہ ہے کہ لڑکے کا مزاج کس قسم کا ہے اور لڑکی کا کیسا۔ آیا دونوں کے مزاج میں کوئی ایسا
زمین وآسمان کا فرق تو نہیں ہے جس کو کوئی طاقت موافق نہیں کر سکتی مثلاً لڑکا پردہ کا
سخت پابند ہے۔ اس کی رائے میں پردہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ سوا باپ اور حقیقی
بھائی وغیرہ کے کسی کے سامنے نہ ہو حتیٰ کہ ماموں زاد۔ پھوپی زاد بھائی سے بھی چھپے۔
لڑکی کی تعلیم آج کل کے زمانہ کے موافق ایسی ہوئی کہ جلسوں اور لیکچروں سی فائدے
حاصل کرے شام کے وقت ہوا خوری کو باہر جا سکے۔ تازی ہوا کھائے۔ قدرت کی
دلچسپیوں کو دیکھے۔ ظاہر ہے کہ میاں بیوی کا یہ اختلاف دُور ہونا کس قدر مشکل اور
سخت ہے بظاہر تو والدین بہت بڑے فرض سے ادا ہوئے۔ ہزاروں کا چڑھاوا
آگیا۔ روپے کی بھی ریل پیل ہو گئی۔ مگر کیا یہ بیل منڈھے چڑھنے والی ہے والدین کو اپنی
ذمہ داری پوری محسوس کر لینے کے بعد دُنیا کے تمام کاروبار اب اِن ہی دونوں
میاں بیوی پر چھوڑ دینے چاہئیں۔ اور اب یہ صرف بیوی کا فرض ہے کہ وہ
شوہر کے دل میں محبّت پیدا کرے یا نفرت میں یہ تو نہیں کہتی کہ عورت پر مرد کا سجدہ
واجب ہے۔ کیونکہ ہمارا سچا مذہب جس نے ایک کو دوسرے کا لباس بنایا ایسا
لغو نہیں ہو سکتا کہ ایک جگہہ یہ کہنا اور دوسری جگہ برابر کے رشتہ میں عبد و معبود
کا فرق بتاتا۔ نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس بات کو منسوب کرتی
ہوں۔ کیونکہ آپ نے کھُلے ہُوے الفاظ میں فرما دیا ہے کہ عورتوں کی اہانت وہی

مرد کرتے جو تسلیم ہیں ہیں یہ بھی جانتی ہوں کہ یورپ کے بعض ڈاکٹر تحقیقات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مرد اور عورت کا دماغ قبولیت اور نشو ونما کے اعتبار سے برابر ہے مگر یورپ کی عورتیں ہمارے سامنے موجود ہیں وہ قوائے جسمانی کے اعتبار سے یقیناً اپنے مردوں سے کمزور ہیں۔ اور اُن کے برابر زحمت برداشت کرنے کے ناقابل اسی کو کلام ربانی نے قوّامون سے تعبیر فرمایا ہے تو ظاہر ہوگیا کہ قدرت کا یہ انتظام اس طرح کیا گیا ہے کہ عورت زندگی کے بعض معاملات میں مرد کی اور مرد بعض معاملات میں عورت کا محتاج ہے۔ یہ کہنا کہ مرد حاکم ہے اور عورت محکوم ممکن ہے عورتوں کی کسر شان اور اسلام کی توہین ہو جو اختیار مرد کو دئیے گئے ہیں۔ اُن میں اس کی مرضی عورت کی مرضی سے مقدّم ہے۔ ہمارے موجودہ تمدن میں ایک بیوی کی سرتابی پر بہت سی باتوں کا دار و مدار ہے۔ بزرگوں کی عزّت پر اس سے حرف آئے۔ خاندان کی آبرو پر اس سے بٹّہ لگے۔ عزیز و اقارب اس سے نکّو ہوں۔ آیندہ کی نسلوں میں اس سے پانی مرے۔ اس لئے جب تک موجودہ تمدن ہی تبدیل نہ ہو اس کا بدلنا آسان بات نہیں ہے۔ نہایت ضروری ہے کہ بیوی جہاں تک ممکن ہو میاں کے رضامند رکھنے کی کوشش کرے۔ بیوبو! تم نے دیکھا ہوگا جنگلی ہرن جس کو انسان کے نام سے وحشت ہے پیار سے رام ہو جاتا ہے۔ کیسے کیسے پرند جو انسان کی آواز سے بھڑکیں۔ اس کے ہاتھوں پر بیٹھتے۔ اس کے گھروں میں رہتے ہیں اور اپنی سُریلی تانوں سے اس کا دماغ تر و تازہ کرتے ہیں۔ ایک مرد کا پال لینا جس میں قدرت نے مل جانے کا مادہ رکھا ہے کوئی ٹیڑھی کھیر نہیں۔ کوشش تمھاری ہے اور قدرت تم کو مدد دینے کے واسطے موجود۔ نواب ذوالقدر جنگ بہادر جن کو مرے ہوئے آج بیس برس سے زیادہ ہوگئے ہیں جن کی محل سرا اب بھی پھوپی اماں کے مکان کے

[illegible]

تھوڑی دور کھڑی آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ گو اب موجود نہیں ہیں۔ مگر ان کا
نام شہر میں بچّہ بچّہ کی زبان پر موجود ہے۔ تم میں کوئی ایسا نہ ہوگا جس نے یہ نام نہ سُنا ہو۔
میں چھوٹی سی تھی جب اُن کی بڑی صاحبزادی قمر آرا بیگم کا نکاح فریدوں قدر
بہادر سے ہوا۔ خدا جھوٹ نہ بلائے تو ہزاروں کی تو صرف آتشبازی ہی چھوڑی
گئی ہوگی۔ کامل آٹھ دن محلہ بھر میں کھانا نہیں پکا۔ شادی کیا ایک رحمت تھی جس نے
بہت سے محتاجوں کو کئی وقت کے فاقے سے بچا دیا۔ ہم اکثر اُن کی خدمت میں جاتے
اور میں تو خصوصاً ہر وقت وہیں رہتی تھی۔ کیونکہ وہ پھوپی اماں کی سب سے عزیز شاگرد
تھیں۔ مگر ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ انھوں نے سیدھے منہ میاں سے بات کی ہو۔
ایک روز میرے سامنے کا ذکر ہے نواب صاحب بیسیوں ہی تھان کپڑے کے
لائے۔ اپنے ہاتھ سے کھول کھول کر اُن کے آگے رکھتے تعریفیں کرتے اور بیوی کا
منہ دیکھتے کہ شاید پسند آجائے مگر اُن کو تو سانپ سونگھ گیا۔ کسی کو کھدّی کہا۔ کسی کو
موٹا کسی کو کُتّے کا کفن کسی کو ذلیل۔ خیال کرو کیسی لغو حرکت تھی۔ تہذیب کے خلاف
انسانیت سے دُور عقل سے بعید۔ مگر وہ بیوی سے اس قدر محبّت کرتے تھے کہ
اُلٹے پاؤں پھیرنے گئے غرض دو دو دفعہ لائے لیکن بیگم صاحب کی سمجھ میں خاک نہ آیا۔
صبر کر کے بیٹھ گئے۔ محبّت کا یہ حال تھا کہ ہر وقت اُن کا منہ تکتے۔ پان بھی مانگتے تو
گڑگڑا کر جیسے کوئی بھیک مانگتا ہے۔ پھوپی اماں نے ہزاروں کیا لاکھوں ہی دفعہ سمجھایا
مگر ان پر اثر نہ ہوا کیسی حسرت نصیب زندگی تھی۔ نواب صاحب کئی کئی رات
دن اکیلے بیٹھے رہتے اور بیوی پروا نہ کرتیں۔ بیچاروں کا ایک مقدمہ کئی لاکھ
روپے کا چل رہا تھا۔ جو کچھ جمع پونجی تھی وہ کچہریوں کی نذر ہو چکی تھی مگر مقدمہ تھا کہ
کسی طرح ختم ہی نہ ہوتا تھا۔ جب کچھ پاس نہ رہا تو انھوں نے دوپہر کے وقت
نہایت عاجزی سے بیگم صاحب سے کہا "میرے پاس اب کچھ نہیں رہا مجلسرا کا

روپیہ بھی ختم ہوگیا۔ آپ دس ہزار روپے وکیل اور منگوا رہے ہیں۔ بتاؤ کیا کروں۔ اباجان سے منگوا دو۔ اگر میں زندہ رہا تو یہ قرض ادا کردوں گا۔ بیگم صاحب نے جن آنکھوں سے نواب صاحب کو دیکھا وہ نگاہ مجھے اب تک یاد ہے۔ شرافت کا دریا اُن کی آنکھوں میں لہریں لے رہا تھا اور محبت کے سچے موتی اُن کی آنکھوں میں چمک رہے تھے اُٹھ کر کوٹھری میں گئیں۔ زیور کا سندوقچہ کھولا اور جو زیور بدن پر تھا اُتار کر اس میں رکھا۔ ننگی بچی تھیں مگر کان ہاتھ ڈھانک کر باہر آئیں اور نواب صاحب سے کہا۔

"اباجان سے مانگنے کی ضرورت نہیں۔ ابھی تو یہ موجود ہے" نواب صاحب کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔ بیگم صاحب وہاں سے اُٹھ گئیں۔ انھوں نے روکا بھی مگر نہ ٹھیریں۔ مجبور زیور لے کر چلے گئے۔ تقدیر کی بات مقدمہ ہاتھ سے جاتا رہا اور وہ وقت آگیا کہ گھر میں ضرورت آپڑے تو تنکا تک نہ تھا۔ محلسرا کا کرایہ بہت زیادہ چڑھ گیا تو مہاجن نے تقاضا کیا اور مقدمہ کی خبر سنتے ہی لکھ دیا کہ خالی کر دیجئے۔ بڑے نواب صاحب داماد سے ناخوش تھے۔ جب سنا کہ بیٹی محلسرا خالی کر رہی ہے تو کہلا بھیجا کہ تم یہاں چلی آؤ۔ بیگم صاحب باپ کے اس پیغام پر ہنسیں اور باپ کو بہت بہت آداب اور شکریہ کے بعد لکھ بھیجا کہ "میرا ہاتھ ایک غیر شخص کے ہاتھ میں اس لئے دیا تھا کہ آج مصیبت میں اس کا ہاتھ جھٹک باپ کے پاس آبیٹھوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے در پر مجھے روٹی کی کمی نہیں۔ مگر کیا وہ کھانا مجھے زہر نہیں ہے۔ جو میں تنہا کھاؤں۔ وہ بھوکا سوئے میں پیٹ بھروں۔ وہ زمین پر لیٹے میں پلنگ پر سوؤں۔ عیش میں اس کی شریک تھی مصیبت میں اس کی ساتھی ہوں گی۔ دریا کے کنارے جنگل میں ہماری جھونپڑی ہوگی۔ مگر وہ جنگل آپ کے محل سے بہتر اور سوکھے ٹکڑے آپ کے پلاؤ سے اچھے ہوں گے۔ ہوا ہماری خدمت گزار، سبزہ ہمارا فرش۔ پھل ہماری غذا، اور آب چمن ہمارا شربت ہوگا۔ میں اب اُس شخص کی خدمت کرونگی۔

جو میری ہمدردی کا محتاج ہے جس کی دنیا مجھ سے وابستہ ہے اور جس کی زندگی مجھ سے متعلق ہے جس نے مدت العمر میری ناز برداری کی اور جس کی خدمت میری دین و دُنیا دونوں سنوار دے گی۔ آپ کی فرمانبردار ہوں اس کی خدمتگزار۔ آپ کی کنیز۔ اس کی غمگسار۔ مگر مجھے وہ وقت یاد ہے جب سید الشہدا امام حسین علیہ السلام نے شہربانو سے جاکر کہا۔ بانو تمام عزیز شہید ہوچکے اور آبِ کوثر سے سیراب ہوگئے۔ خدا کا واسطہ اپنے معصوم اصغر کو لیکر نکل جاؤ۔ تم والی سلطنت کی بھانجی ہو میرے ساتھ اپنی اور اس شیر خوار کی زندگی برباد نہ کرو۔ شہربانو رو پڑیں اور امامؑ سے عرض کیا۔

بھائی کی کچھ ہے فکر نہ ماں کی نہ باپ کی
بیٹی ہوں بادشاہ کی لونڈی ہوں آپ کی

"ابا جان اٹھارہ برس جس شخص نے راحت دی ہے اب اس سے کنارہ کشی شرط شرافت نہیں۔

میں پہلے روز اس جھونپڑی میں پھوپی اماں کے ساتھ گئی تھی جب بیگم صاحب پہنچی ہیں تو انھوں نے منڈھیا کو غنچہ گلبن بنا دیا تھا جنگلی پھول توڑ چاروں طرف گلدستے لگائے۔ خود کپڑے بدل کر ایسی ہشاش بشاش تھیں کہ میں نے تمام عمر اُن کو ایسا دیکھا نہ سُنا۔ شام کو جب نواب صاحب تھکے ہارے آئے ہیں تو انھوں نے دروازے ہی سے اُن کا استقبال کیا۔ قلعی والی پٹاری سے پان بنایا اور کہا" نواب صاحب یہ پٹاری اٹھارہ برس بعد آج نکلی ہے اور ہماری محبت کے ابتدائی دنوں کی ہمراز ہے۔ یہ چاولوں میں میرے ساتھ تھی آج جنگلوں میں اس نے ساتھ نہ چھوڑا۔ وہ وقت اس نے دیکھا تھا۔ یہ وقت بھی دیکھا۔ اس کا ہر ٹکڑا رازدار اور رہر کو نہ واقف کار ہے بیگم کی تقریر سے نواب صاحب کا دل بھر آیا۔ وہ باہر جاکر روئے اور جب تک زندہ رہے روتے رہے۔ صدمے نے اُن کا پیچھا نہ چھوڑا۔ چارپائی سے لگ گئے

بیگم صاحب نے سمجھانے میں کمی نہیں کی۔ مگر بخار ایسا ہاتھ دھو کے پیچھے پڑا کہ اٹھنا مشکل ہو گیا۔ میری عمر زیادہ سے زیادہ اس وقت آٹھ برس کی ہو گی۔ پھوپی اماں قریب قریب آخر دنوں میں روز جاتی تھیں۔ بیگم صاحب نے جو کچھ خدمت اس وقت شوہر کی کی اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ وہ خود اٹھ بھی نہ سکتے تھے۔ اکیلی بیگم صاحب تھیں اور تمام تیمارداری ایک رات جب نواب صاحب کی حالت خراب ہوئی ہے تو ہم دونوں پھوپی بھتیجیاں وہاں گئے۔ بیگم صاحب اُن کے پاؤں دبا رہی تھیں جب رات زیادہ ہو گئی تو بارش شروع ہوئی۔ مینہ موسلا دھار برس رہا تھا اور ہوا فراٹے بھر رہی تھی۔ نواب صاحب نے پانی مانگا۔ بیگم صاحب اُسی مینہ میں بھیگتی ہوئی لوٹے میں پانی لینے گئیں۔ آتی تھیں کہ اولوں کی باڑ نے محبت کی اس سچی تصویر کے پاؤں میں تکلیف کی زنجیر ڈالی۔ ایک درخت کے نیچے ٹھٹکیں، مگر یہ خیال آتے ہی کہ پانی کو دیر نہ ہو جائے آگے بڑھیں اولے تڑاق تڑاق پڑ رہے تھے۔ کہ ایک بڑے اولے نے زخمی کیا۔ چوٹ کاری لگی۔ مگر اپنی لگی میں چلی آئیں۔ نواب صاحب کی حالت غیر تھی۔ پانی حلق سے اترا بھی نہیں اور وہ عالم بقا کو سدھار گئے۔ اُن کے مرتے ہی بیگم صاحب نے ایک چیخ ماری۔ فاختہ دنیا والوں کو نیم کے درخت پر بیٹھی پیغام صبح پہنچا رہی تھی کہ بیگم صاحب بھی اپنے شوہر سے جا ملیں۔ یہ دو قبریں جو برجے کے پاس محبت کی زندہ تصویریں اب تک موجود ہیں۔ بیویو! ہاتھ اٹھاؤ اور اُن کے واسطے دعا کرو۔

مملکت آسمانی پر راج کرنے والی پاک روح تو عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ تیری یادگار تیرا جسد خاکی پیوند زمین ہے۔ مگر چشم بینا تیری ہستی میں رنگ برنگ کے رانہ دیکھ رہی ہے۔ خلوص کے سدا بہار پھول تیری قبر پہ مہک رہے ہیں۔ انسانیت کا سبزہ لہک رہا ہے۔ جمنا کی لہریں تیرا کلمہ پڑھ رہی ہیں۔ اور صبا تیرے مزار پر آفرین کے ہار چڑھا رہی ہے۔ قمر آرا بیگم کی پاک روح جنت تیرا مسکن ہے۔ حیات ابدی

کے دریا تیرے پاؤں میں لوٹ رہے ہیں۔ اور شہرت دوام کا زیور زیب تن ہے تو اسلام کا سچا نمونہ اور عورتوں کی بہترین تصویر تھی۔ تو چلی گئی مگر تیرے کام اور تیرا نام باقی ہے۔ زمانہ کہیں سے کہیں پہنچ جائے مگر اس کی رفتار تیرے کارناموں کو بلند کرے گی۔ تیری زندگی آسمانی دنیا پر قمر چہاردہم کی طرح چمکے گی۔ اور اس کے پھول قیامت تک ایک عالم کو معطر کرتے رہیں گے۔ الٰہ العٰلمین ہم کو بھی توفیق دے کہ قمرارا بیگم کا نمونہ بنیں اور میاں بیوی کے تعلقات میں بطفیل حبیب کریم اتنا ہی ثابت قدم اور ایسا ہی مستقل مزاج بنا۔ آمین یا رب العٰلمین"

نسیمہ کی اس تقریر نے حاضرین پر کچھ ایسا اثر کیا کہ سب کی سب اس کی گرویدہ ہوئیں دن رات ڈولیوں کا تانتا بندھا رہتا وہ بھی لڑکیوں میں لڑکی اور بڑھیوں میں بڑھیا تھی۔ جو آتا جس رنگ کی گفتگو کرتا اسی ڈھنگ سے ملتی۔ ایک پندرہ ہی دن میں اس کا سکہ تمام شہر میں بیٹھ گیا۔ بڑی بڑی تجربہ کار عورتیں، زمانہ دیکھے، عمریں برتے، ان سے مشورہ کرتیں۔ صلاحیں لیتیں۔ اور خدا کی عنایت بھی کچھ ایسی شامل حال تھی کہ اس کی رائے تیر بہدف ہوتی۔

مدتوں کے بگڑے بگڑائے کام اس نے دم بھر میں سلجھا دیے اور برسوں کی الجھی ہوئی گتھیاں چٹکیوں میں سلجھا دیں۔ اب کیا تھا آدھے سے زیادہ شہر اس کا مرید ہو گیا۔ اچھے اچھے اور بڑے بڑے خاندانوں کی عورتیں اس بات کی خواستگار کہ ہماری بیٹیوں پر نسیمہ پر چھاؤں پڑے اور اس امر کی متمنی کہ ہماری بچیاں چوبیس گھنٹوں میں دو چار گھنٹے تو اس کی صحبت میں رہیں۔ نسیمہ اکل کھری تو کبھی بھی نہیں تھی۔ ہاں اس وقت اللہ رکھے دو بچوں کی ماں تھی۔ لڑکا وسیم تو خیر پانچویں برس میں تھا مگر لڑکی تسنیم گود میں تھی گو اس کی تربیت ایسی نہ تھی کہ وہ دن رات ماں ہی کی گود میں بیٹھی رہتی اور دنیا کے تمام کاموں سے فارغ کر دیتی۔ مگر پھر بھی اس کے کام کے جو اوقات مقرر تھے اس میں وہ کبھی فرق نہ آنے دیتی۔ ایک بچی پر ہی کیا منحصر تھا۔ جو وقت جس کام کے واسطے تھا وہ اسی میں اس کو پورا کرتی۔ اس کے اوقات کی تقسیم جہاں تک ہم کو معلوم ہوا اس طرح تھی۔

(۲۴)

جاڑوں میں وہ چھ بجے صبح کو اُٹھتی۔ ماما گو گھر میں ایک موجود رہتی تھی مگر اس لیے کہ بڑھیا پھوس تھی، وہ اس کو کبھی نہ جگاتی۔ اپنے ہاتھ سے پانی گرم کرتی۔ وضو کرتی اور وضو کے بعد تمام گھر کو جگا کر نماز میں مصروف ہو جاتی۔ نماز کے بعد آدھ گھنٹے قرآن مجید پڑھتی۔ بڑی بی اتنے چار تیار کرتیں، نماز سے فارغ ہوتے ہی وہ چار دیتی اور آٹھ بجے باورچی خانہ میں پہنچ جاتی۔ گوشت رات کا بگھرا ہوا ہوتا۔ ساڑھے نو بجے کھانا تیار کر چکتی اور دس بجے سے پہلے کھانے سے فرصت پا لیتی۔ سب کھا چکتے تو خود کھاتی اور ساڑھے دس بجے بچوں کو لے کر ملاقات کے کمرے میں چلی جاتی۔ ایک بجے تک یہاں رہتی۔ عورتوں سے ملتی۔ ھاجرہ کو پڑھاتی۔ ٹھیک ایک بجے یہاں سے اُٹھتی۔ اور دوسرے کمرے میں جا کر ڈاک دیکھتی۔ خط پڑھتی اور جواب لکھتی۔ دو بجے ظہر کی نماز کو کھڑی ہوتی اور ڈھائی بجے سے چار بجے تک سینے پرونے میں مصروف ہوتی۔ چار بجتے ہی عصر پڑھ شام کے کھانے پر متوجہ ہوتی اور مغرب تک وہاں رہتی۔ مغرب پڑھ چکتی تو اخبار لے کر بیٹھتی اور آٹھ بجے تک خود بھی پڑھتی اور لڑکیوں کو بھی سناتی۔ اسی اثنا میں کام کی بہت سی باتیں بچوں کو بتاتی جاتی۔ آٹھ بجے عشاء پڑھتی۔ وظیفہ پڑھتی۔ اور ساڑھے نو بجے دن بھر کا حساب لکھتی اور دیکھتی کہ آج کی آمدنی میں سے کس قدر صرف ہوا اور کیا محفوظ رہا۔ دس ساڑھے دس بجے سو جاتی۔

قسیم ہفتہ بھر کی چھٹی آیا ہوا تھا جس روز چھٹی ختم ہوئی وہ شام کے چار بجے کی گاڑی سے جانے والا تھا۔ ضرورت تھی یا نہ تھی مگر اس نے اپنے اوقات میں فرق نہ آنے دیا۔ البتہ ظہر سے فرصت پا کر اس کے واسطے کچھ کھانا تیار کر رہی تھی کہ نواب اعتماد الدولہ کی بیگم صاحب ملنے تشریف لائیں۔ میاں کے جانے میں صرف ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا بہت سی باتیں اس سے طے کرنی تھیں۔ ایک اہم معاملہ میں مشورہ کرنا تھا۔ روانگی کا انتظام کرنا تھا۔ بچھونے اسباب اور کھانا پینا سب چیزیں تیار کرنی تھیں۔ دیکھنی تھیں۔ غرض

سر کھجانے کی فرصت نہ تھی۔ بیگم صاحب تشریف لائیں تو عجب ٹھاٹھ سے۔ مامائیں ایک چھوڑ تین تین ساتھ۔ باہر دو نوکر۔ ساٹھ برس کی عمر۔ سر پر لال چادر جوڑہ۔ سات گز پائنچوں کا ڈھیلا پاجامہ۔ ماما ایک ادھر ایک اُدھر۔ ایک کے ہاتھ میں خاصدان۔ ایک کے ہاتھ میں صراحی۔ اللہ رسول کی امان کے ہر ہر قدم پر نعرے۔ مگر بیگم صاحب کمرے میں آکر بیٹھیں تو آنکھیں کھل گئیں۔ پونڑوں کی امیر تھیں کسی چیز کی کمی نہ تھی پر یہاں کا سامان ہی اور تھا وہ ایرانی اور کاشانی قالین اور رومی و شامی مخمل کے غالیچے تو ،رکھتے مگر جو کچھ تھا اس خوبصورتی سے آراستہ اور نفاست سے سجا ہوا کہ کمرہ منہ سے بول رہا تھا۔ دری۔ دری پر چاندنی۔ چاندنی پر قالین۔ قالینوں پر گدّے۔ خوبصورت کرسیاں جہاں سلوٹ کا نام۔ تنکے کا پتہ نہیں۔ دیواروں پر نقشے۔ کانس پر تصویریں۔ بیچ میں میز۔ میز پر قلم دوات۔ کاغذ۔ برابر میں الماری، الماری میں بیش قیمت خوبصورت کتابیں۔ سر پر دیوارگیری اس پر جھب [illegible] رومال رومال پر کلام اللہ۔

بیگم صاحب نے چاروں طرف ہکّا بکّا نگاہیں دوڑائیں۔ جیسا سنا تھا اس سے زیادہ سگھڑ پایا۔ مگر اضطراب کی یہ کیفیت کہ دو منٹ میں چار تقاضے نسیمہ بیگم کو بلانے کے لئے کئے گئے۔ نسیمہ لاکھ مصروف تھی مگر اتنی کج خلق اور بے مروت نہ تھی کہ بیگم صاحب سے ملنے بھی نہ آتی جس طرح ہو سکا آئی۔ سلام کیا اور بیٹھی۔ بیگم صاحب نے فرمایا۔ "میں آپ کے سلیقہ اور ہنر کی تعریف مدت سے سن رہی ہوں۔ کئی دن سے ارادہ کر رہی تھی کہ آپ سے ملوں اور آپ کو اپنے گھر لے چلوں تاکہ میری لڑکیاں بھی آپ سے کچھ سیکھیں آج ذرا فرصت ہوئی تو چلی آئی۔ آپ میرے ساتھ چلئے۔ میری لڑکیاں آپ کی منتظر ہیں۔"

نسیمہ۔ "میں آپ کی تشریف آوری کی بیحد ممنون ہوں"

بیگم صاحب۔ "ہاں۔ مگر آپ جلدی چلئے۔ میری دونوں صاحبزادیاں راہ دیکھ رہی ہونگی" صاحبزادیوں کے کہنے پر ھاجرہ کو ہنسی آئی۔ مگر مسکرا کر چپ رہ گئی۔ نسیمہ

نے کچھ دیر سکوت کے بعد کہا "میں آج مجبور ہوں میں اس وقت بھی صرف آپ کے برا ماننے کی وجہ سے آگئی۔ ورنہ مجھے فرصت مطلق نہیں ہے۔ آج میرے شوہر باہر جا رہے ہیں۔ اور میں اُن کے کاموں میں مصروف ہوں۔ اگر آپ مجھے پہلے سے اطلاع دیدیتیں تو بہت اچھا ہوتا میں یقیناً آپ کو آج تشریف لانے سے روک دیتی۔ اور آپ کو ہرگز زحمت نہ ہوتی۔"

بیگم صاحب اطلاع کو خاک جانیں، وہ اتنا سنتے ہی سناٹے میں رہ گئیں۔ پانچ روپے کی مٹھائی بیگم صاحب اپنے ساتھ لائی تھیں۔ ماما نے سینی آگے رکھی نسیمہ نے کہا "اس کی کوئی ضرورت نہیں"

بیگم صاحب "میں صرف بچوں کے لئے لائی ہوں۔"

نسیمہ "بچے آپ کی دعا سے جب اُن کا دل مٹھاس کو چاہتا ہے کھا لیتے ہیں۔ یہ ہمارے شہر کی ایک فضول چال ہے اور اس کے معنی دوسرے کی توہین ہیں۔ خیال تو فرمایئے اس مٹھائی کی ضرورت کیا اور میں اس کو کیوں لوں۔ ممکن ہے میری مالی حالت اس قابل نہ ہو کہ میں اتنی مٹھائی جب آپ سے ملنے آؤں اپنے ساتھ لا سکوں۔ یا اس وقت آپ کی خاطر اس مٹھائی کے قابل کر سکوں، تو مجھ کو اپنے دل میں کیسی ندامت ہوگی!"

اب تو بیگم صاحب بالکل ہی جاتی رہیں۔ نسیمہ یہ کہہ کر اُٹھ کھڑی ہوئی کہ "گاڑی کے جانے میں صرف چالیس منٹ باقی ہیں معاف کیجئے گا۔"

بیگم صاحب اپنے دل میں برا بھلا کہتی سیدھی سنجیدہ کے ہاں پہنچیں اور دل کی بھڑاس خوب نکالی جب بیگم صاحب کہہ چکیں تو سنجیدہ نے کہا۔ "آپ نے نسیمہ کا صحیح اندازہ نہ کیا۔ اس نے جو کچھ کہا وہ حق بجانب تھی۔ غلطی آپ کی بغیر اطلاع، آپ ڈولی چڑھ، جا دھمکیں، جان نہ پہچان بڑی خالہ سلام، آخر وہ بچوں کی ماں اور میاں کی بیوی ہے اس کے ساتھ بھی دنیا بھر کی ضرورتیں ہیں۔ کیا آپ کی رائے ہے وہ اپنے تمام کام چھوڑ چھاڑ آپ کے پاس آ بیٹھتی۔ میاں کے کام نہ کرتی۔ بیگم صاحب ذرا انصاف کیجئے غلطی آپ کی ہے اگر آپ کو جانا تھا پہلے پچھوا لیا ہوتا کہ فرصت ہے یا نہیں۔ وہ آندھی جائے

یا ملنیہ ایک بجے تک سب ہی سے ملتی ہے۔ چاہے جیسی بھی ضرورت کیوں نہ ہو۔ حد یہ ہے کہ بیمار بھی ہوتی ہے تو ملاقات کے کمرے میں جا پڑتی ہے۔ آپ یا تو اس کے وقت پر جاتیں یا دریافت کر لیتیں۔

بیگم صاحب "اچھا تو بوا مٹھائی کیوں واپس کر دی۔ اس میں کیا قباحت تھی"

سنجیدہ "اس کی بھی چنداں ضرورت نہ تھی۔ یہ بھی اس نے بے جا کیا۔ آپ صرف ملنے گئی تھیں یا احسان دھرنے۔ وہ آپ کی مٹھائی بلاوجہ کیوں لے لیتی"۔

سنجیدہ بیگم صاحب کے ساتھ کی کھیلی ہوئی تھی۔ خوب آڑے ہاتھوں لیا اور شام کو چلتے وقت یہ کہلوا لیا کہ "ہاں بی مجھ سے غلطی ہوئی اور آئندہ ایک وہاں کیا کہیں بھی بغیر اطلاع کے نہ جاؤں گی"

(۲۵)

رابعہ مزاج کی تیز تو سدا ہی کی تھی وہ تو کچھ نسیمہ کا فیض صحبت تھا کچھ مجبوری ماں کو آئی سوت۔ باپ سر پر رہا نہیں۔ لے دے کر ناز بردار تھی تو سرپرست تھی تو ایک بھاوج۔ اس کا اصول یہ ہمیشہ سونے کا نوالہ کھلایا اور شیر کی نظر دیکھا۔ جو لپکے پڑ چکے تھے وہ سب دب گئے اور جو عادتیں پیدا ہو چکیں تھیں وہ چھوٹیں تو کیا خاک مگر ہاں کم ہو گئیں۔ افتاد جو شروع سے پڑی تھی وہ نسیمہ کے مٹائے بھی نہ مٹ سکی۔ کوارپنے تک تشتم پشتم گذر گئی۔ مگر شادی کے بعد وہ بیج پھل لے آئے۔ ساس نندوں کا شکوہ۔ دیورانی جٹھانی کی شکایت۔ دوسرے ہی دن سے شروع ہو گئی۔ جو کہیں نسیمہ بیوقوف ماؤں کی طرح حمایت کو کھڑی ہو جاتی تو شاید پندرہ ہی دن میں رابعہ کو سلے تے لگتی مگر وہ خطوں کے تمام دفتر پڑھتی اور جلا دیتی۔ اس کا اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ رابعہ میکے کی حمایت سے قطعی ناامید ہو گئی اور جب ادھر کا بل بوتہ نہ رہا تو اچھی طرح سمجھ گئی کہ سسرال سے جاتی ہوں تو بیٹھنے کو ٹھکانہ نصیب نہ ہوگی۔ لیکن وہ خو بو جو سرشت میں بیٹھ چکی تھی کہاں

جاتی اور جو خیالات راسخ ہو چکے تھے کدھر غارت ہوتے۔ شوہر نے اپنی طرف سے دلداری میں کمی نہ کی۔ پوری عمر کا آدمی تجربہ کار۔ دو حاجو۔ مالدار۔ خوب سمجھاتا تھا کہ لڑکی ہے۔ دل لگتے ہی لگے گا اور طبیعت بہلتے بہلتے ہی بہلے گی۔ تفریح کے نت نئے اسباب فراہم اور راحت کی پوری کوششیں کرتا مگر وہ تنک مزاج خاک خاطر میں نہ لاتی۔ خواہ مخواہ بچوں کو ڈانٹنا۔ بلاوجہ نوکروں کو گھرکنا اس کا شیوہ تھا۔ بچے ناسمجھ تھے۔ چند روز میں ماں کو بھول گئے۔ آسی کو ماں سمجھتے اور ماں سمجھ کر لپٹتے۔ عقل سے کام لیتی تو ان کو ہلا لینا کوئی بڑا کام نہ تھا۔ مزے سے عمر بھر بچوں پر حکومت اور میاں پر سلطنت کرتی۔ مگر اس کا وطیرہ یہ کہ بچے روتے رہتے اور وہ گاڑی میں بیٹھ ہوا خوری کو چل دی۔ میاں دیکھتا رہا وہ پان بنا، اپنا کلہ گرم کر چارپائی پر جا لیٹی، تین ساڑھے تین برس تو چپکا دیکھتا رہا۔ مگر جب دیکھا کہ بیوی کسی طرح ٹھیک نہیں ہوتی۔ مجھ کو راحت نہ بچوں کو آرام۔ اللہ کی بندی کو فقط اپنے کام سے ہے تو دوسرے نکاح پر آمادہ ہوا۔ نسیمہ کے کان میں یہ بھنک پہنچی تو پاؤں تلے کی زمین نکل گئی اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ کھلم کھلا نذرو سے گفتگو کی۔

نسیمہ: "سنا ہے کہ آپ سنت رسولؐ ادا کرنے کی فکر میں ہیں؟"

نذرو: "آپ نے صحیح سنا لیکن آپ اس کا مضحکہ نہ اڑائیے۔ میں اُن مولویوں میں سے نہیں ہوں جو نکاح ثانی کو سنت رسول اللہ سے تعبیر کر کے دوسروں کو دھوکا دیں۔ میں اپنی ضرورت سے کرتا ہوں۔ البتہ مجھ کو جو حق اسلام نے دیا ہے اس سے ضرور فائدہ اٹھاتا ہوں اور وہ بھی اس لئے کہ اس نکاح سے جو میری غرض تھی وہ پوری نہ ہوئی"۔

نسیمہ: "جہاں تک مجھے معلوم ہے رابعہ بیوی ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض اچھی طرح انجام دے رہی ہے۔ آپ نے اس کے فرائض میں اپنے بچوں کی پرورش کیوں شامل کر دی اگر اس سے غفلت کرے یا اس کو انجام نہ دے سکے تو خود بچے بچھڑے۔ اور ایسی سخت سزا کی سزاوار نہیں ہے جو آپ نے تجویز کی اور جس سے اس کی

تمام عمر برباد ہو جائے گی۔"

نندوئی:۔"میں نکاح کے وقت ان بچوں کا باپ تھا اور یہ بچے چھوٹے ہوئے تھے اس لئے ظاہر ہے کہ بیوی کے فرائض میں ان کی پرورش یقینی شامل تھی اور یہ سب سے بڑا فرض تھا۔ اس لئے باپ ہونے کی حیثیت سے میرا یہ فرض ہے کہ ان کی پرورش کا پورا سامان کروں اور ایک ایسی عورت سے نکاح کروں جو ان کی بھی پرورش کر سکے۔"

نسیمہ:۔"آپ کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ جس لڑکی سے آپ کا نکاح ہو رہا ہے وہ کواری ہے۔ اُس نے دُنیا نہیں دیکھی۔ اس کے پہننے اوڑھنے کے دن۔ اچھا کھانے کا وقت۔ اور بے فکر سونے کا زمانہ ہے۔ پہلوٹھی کے بچے کی جو اپنے پیٹ کے ہوتے ہیں پرورش نانیاں، دادیاں ہی کرتی ہیں اور ماؤں سے صرف دودھ پلانے کا واسطہ رہتا ہے نہ کہ آپ ایک لڑکی سے یہ توقع رکھیں کہ وہ آپ کے اپنے بڑے بچوں کی پرورش کرے اور ماں بننے سے پہلے حقیقی ماؤں کی طرح اپنا سکھ اُن کے دُکھ پر قربان کر دے۔ آپ اس سے وہ کام لینا چاہتے ہیں۔ جس کا اہل ابھی قدرت نے بھی اس کو نہیں سمجھا آپ کو کسی ایسی عورت سے نکاح کرنا چاہیے تھا جو خود بھی کئی بچوں کی ماں ہوتی تا کہ دونوں کے حق برابر ہو جاتے آپ کو بھی معلوم ہو جاتا کہ پرائے بچوں کی پرورش آسان ہے یا مشکل۔"

نندوئی:۔ آپ جس مسئلہ پر بحث کر رہی ہیں یہ قبل از نکاح فیصلہ کرنے کا تھا۔ میری درخواست نکاح میں بیوی کا یہ فرض شامل تھا اور آپ کو انکار کرنے کا پورا اختیار تھا جب آپ نے منظور فرما لیا تو کوئی وجہ نہیں کہ میری یہ غرض پوری نہ ہو اور اب میرے نکاح ثانی کی وجہ ہے میری موجودہ بیوی کی فرائض کی ادائیگی میں لاپرواہی، کوتاہی اور سہل انگاری۔ میں نے تین برس سے زیادہ صبر کیا ہے اور یہ ایک عورت کے واسطے معاملہ کو سمجھ لینے کے لئے بہت کافی وقت ہے۔ اور اس کا فرض ہے کہ وہ شوہر کو

دوسرے نکاح کی ضرورت سے قطعی سبکدوش کردے۔ کوئی مرد دنیا میں ایسا بیوقوف نہ ہوگا کہ وہ بلاوجہ اپنے اخراجات کو بڑھائے اور خواہ مخواہ نئے تعلقات میں پھنسے اس لئے سوا ان چند خود غرض افراد کے جو شوقیہ نکاح ثانی کرتے ہیں اور جو میری رائے میں اچھا نہیں کرتے۔ عام طور پر نکاح ثانی کی وجہ موجودہ بیوی ہوتی ہے۔ اگر بیوی اپنے فرائض انجام دے اور پھر دوسرا نکاح کرے تو وہ ذمہ دار اپنے فعل کا ہوگا۔ لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ میری تمام ضرورتوں کو پورا کرنے میں قاصر ہے تو وہ نکاح ثانی میں حق بجانب ہے اور اس کا تمام عذاب و ثواب، برائی بھلائی جو کچھ بھی نتیجہ ہوگا بیوی کی گردن پر ہے "

نسیمہ کا خیال تھا کہ نندوئی کو ڈانٹ بتائے گی۔ مگر پانی مر رہا تھا۔ خاموش ہوگئی۔ اور ماننا پڑا کہ مرد کے دوسرے نکاح کی ذمہ دار اگر شوق یا خبط نہ ہو اس کی بیوی ہے تاہم فیصلہ یہ ہوا کہ ایک سال کی مہلت اور دی جائے اگر اس عرصہ میں رابعہ راہ راست پر نہ آئے تو اس کے شوہر کو نکاح کا پورا حق حاصل ہے۔

(۲۶)

نسیمہ نے نندوئی کو مہلت دینے کو تو دیدی اور اپنے مقدور بھر رابعہ کو ڈانٹنے اور سمجھانے میں بھی کسر نہ کی دبی زبان سے یہ بھی کہدیا کہ اب بھی اسی نیند سوئے گئیں تو بیوی عمر بھر سر پر ہاتھ رکھکر رونا۔ اکیلی جان ہوتی تو کسی کی ٹہل کرکے پیٹ بھر لیتیں۔ کچا ساتھ دو بچے آگئے جس کی دہلیز پر جاؤگی دُر دُر پھٹ پھٹ" مگر رابعہ کو ایسے کچے گھڑے کی چڑھی تھی کہ وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ وہی جھک جھک اور پٹ پٹ۔ نسیمہ بھی کانوں میں تیل ڈال بیٹھ جاتی تو رابعہ اپنے ہاتھوں اپنا گھر کھو ہی چکی تھی۔ مگر وہ اس کے مزاج سے واقف عادت سے آشنا خصلت سے باخبر اور گنوں سے اچھی طرح مطلع تھی۔ مہینہ بیس دن تو یہ وطیرہ رکھا کہ جو تھے پانچویں آئی اور کب جھپک چیخ بیٹ

دو چار گھنٹے ٹھیر بگڑ بگڑا چلدی مگر جب یہ دیکھا کہ یہ گھی سیدھی انگلیوں نکلنے والا نہیں، تو چند
روز کے واسطے اپنا گھر چھوڑ بچوں کو لے یہاں آ گئی۔ وہ سمجھتی تھی کہ رابعہ لاکھ بچہ سہی مگر
ایسی بیوقوف نہیں کہ اتنے جھنجھوڑنے پر بھی نہ چونکے گی۔ یہاں آ کر دیکھا تو کم بخت
کی جو بات ہے وہ نرالی جو ڈھنگ ہے وہ انوکھا۔ بھیجا اتنی کہ ہزار باتیں
کہو ذرہ بھر اثر نہیں۔ ڈھیٹ اس درجہ کہ لاکھ مغز کھپاؤ خاک پروا نہیں۔ مگر اتنی بات
ضرور تھی۔ نہ معلوم نسیمہ کا طریق تربیت یا بچپن کا بیٹھا ہوا خوف جہاں اس نے
ڈانٹا اور خون خشک ہوا نسیمہ بھی اسے اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ برابر کی بہن ہے جواب
دے بیٹھی تو بڑائی اور بزرگی سب کرکری ہو جائے گی۔ جو کچھ کروں سمجھ کر اور جو کچھ
کہوں دیکھ کر۔ اس نے سب سے پہلے گھر کی آراستگی پر توجہ کی۔ رہنے کا مکان گھر کا
تو نہ تھا کرایہ ہی کا تھا مگر پندرہ برس سے قبضہ میں تھا۔ غدر سے پہلے کا مکان جس میں
آج تک مرمت تو درکنار کبھی سفیدے کی کرنی یا سفیدی کی کوچی تک نصیب نہ ہوئی۔
کڑیاں ٹوٹی۔ تختے پھٹے دالسا نکلا۔ منڈیریں جھڑی۔ چھت پر نظر ڈالو تو ڈر لگے اور
دیواروں کو دیکھو تو خوف آئے۔

نسیمہ کے مہلت مانگنے یا تسکین دینے سے تو نندوئی بدنصیب کو کیا امید ہوتی
مگر ہاں اس کے آجانے سے کچھ ڈھارس بندھ چلی کہ شاید گھر پھر جائے۔ نسیمہ نے پہلا
کام تو یہ کیا کہ گھر بدلا اور کھلم کھلا نندوئی سے کہہ دیا کہ آپ کے بچے آئے دن جو بیمار رہتے
ہیں اور بیوی ہر وقت دردِ سر نقاہت کی شکایت کرتی رہتی ہیں، اس کی بڑی وجہ یہ
مکان ہے۔ سات سات گز کے جنگادری دالان اور تنگوڑی چار چار پائیوں کی بھی انگنائی
نہیں۔ دیواریں یہ قہقہہ کہ تازی ہوا نام کو نہ آسکے۔ جاڑے میں دھوپ نہیں۔ گرمی
میں ہوا نہیں جس پر صحت کا دارومدار ہے۔ باورچی خانہ میں روشندان نہیں کہ دھواں
باہر جاسکے۔ اس پر ستم یہ کہ کوئلے نہ لکڑیاں۔ اُپلے جلتے ہیں یہ دھواں تو اچھی بھلی آنکھوں کو

اندھا کر دے۔"

نئے محلہ میں نسیمہ کے آتے ہی پڑوسنوں کو عید ہوگئی۔ بارہ بجے رات تک بچیاں اور بوڑھیاں، کواریاں اور بیاہیاں اس کو گھیرے رہتیں۔ اور وہ باتوں ہی باتوں میں ان کو کام کی بیسیوں باتیں بتا جاتی تعلیم نسواں کا چرچا شہر میں اچھی طرح ہو چلا تھا۔ لڑکیوں کا نیا شوق۔ بزرگوں کی اعانت نسیمہ کی سرپرستی باتوں ہی باتوں میں محلہ کی ایک خاصی اچھی انجمن تیار ہو گئی۔ ہر ہفتہ جمعہ کی نماز کے بعد نسیمہ بیگم کی ایک تقریر ہوتی اور رابعہ کی درستی کے ضمن میں محلہ بھر کی عورتیں اس سے فائدہ اٹھائیں۔ بیویوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ آموجود ہوتے۔ پہلے نماز ہوتی۔ اس کے بعد نسیمہ کا لیکچر۔ اس انجمن میں سب سے پہلا لیکچر یہ تھا:

بہنو! تم کو معلوم ہے کہ ہماری زندگی کا دارومدار صرف تین چیزوں پر ہے۔ ہوا پانی۔ اور غذا۔ ہوا اور پانی تو قدرتی انعام ہیں اور ان پر میں اس وقت بحث نہیں کرتی۔ لیکن غذا ہمارے اختیار کی بات ہے اور چونکہ ہمارے تمدن میں اور ایک ہمارے ہی تمدن میں کیا ہر ملک اور ہر قوم میں غذا کا تعلق عورتوں ہی سے ہے اس لئے ہر لڑکی کو غذا کے متعلق پوری کیفیت نہیں تو تھوڑا سا حال ضرور معلوم ہونا چاہئے کہ یہ غذا کن کن چیزوں سے ملی ہوئی ہے۔ یہ ہمارے جسم پر کیا اثر کرے گی کس وقت کیا غذا مفید اور کیا مضر ہو سکتی ہے۔ ایک ڈاکٹر کا قول ہے کہ جب غذا خریدنے وقت ہم یہ احتیاط کرتے ہیں کہ آٹا کم تو نہیں دیا۔ گھی کی تول اڑتی ہوئی تو نہیں۔ تو ضرور ہم کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ غذا ہماری زندگی جیسی بیش قیمت چیز پر کیا اثر کرے گی بہت سی جانیں اسی لاپرواہی سے ضائع ہوتی ہیں اور اکثر بیویاں ان کے شوہر اور بچے صرف اسی لئے ہمیشہ رنجیدہ رہتے ہیں جیسے بیچاری بوا رابعہ کہ محض اسی وجہ سے خود ذلیل۔ میاں بیمار۔ بچے مریض۔ ہمارے جسم میں جو اعضا اور عناصر ہیں وہ جسم

کی پرورش کرتے ہیں اور اُن کا نمو غذا سے ہے۔ غذا میں نباتات، گوشت اور غلّہ وغیرہ ہے۔ دو چیزیں اس وقت تم کو بتاتی ہوں، البومین اور فیبرین۔ البومین سیال اور ثقیل دونوں صورتوں میں ہوتا ہے۔ یہ انڈے میں۔ اناج کے بیجوں میں اور گوشت میں ہوتا ہے۔ فیبرین بھی اسی قسم کی شے ہے۔ گائے کے گوشت کا شوربا اُبالتے وقت اگر دھیمی آنچ کرو تو جو ریشے چھوٹ جائیں گے وہ خالص فیبرین ہوں گے۔ اخروٹ، بادام، کاجو وغیرہ میں البومین ثقیل صورت میں ہے لیکن خون اور یخنی وغیرہ میں سیال صورت میں ہم زیادہ تر اناج کھاتے ہیں لیکن گوشت غلّہ سے زیادہ مقوی ہے۔ کیونکہ اس سے فیبرین خون میں ترقی کرتا ہے اور نسوں کو طاقت دیتا ہے۔ غلّہ سے خون ہلکا بنتا ہے اور جسم میں بمقابلہ گوشت کے کم حرارت پیدا کرتا ہے۔ اب تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ غذا جو گوشت اور اناج سے مل کر تیار ہو جیسے روٹی سالن پلاؤ وغیرہ یہ جسم کی پرورش میں بہت زیادہ مددگار ہوگی۔ تم کو یہ دیکھ کر تعجب ہوگا۔ یا کبھی تم انگریزی سوسائٹی میں ملوگی۔ تو دیکھوگی کہ وہ لوگ اناج کم کھاتے ہیں اور گوشت زیادہ۔ مگر تم سے زیادہ تندرست رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گوشت میں جو البومین ہوتا ہے وہ دوسری غذا سے مل کر عرق بنتا ہے اور بہت آسانی سے ہضم ہو جاتا ہے۔ اور خون پر اچھا اثر کرتا ہے نباتات وغیرہ میں ہاضمہ کو مدد دینے والی چیزیں زیادہ ہیں۔ مولی اور گوبھی وغیرہ میں نمک کا مادہ بہت ہوتا ہے بندگوبھی میں چونہ بھی ہے جو معدے کے لئے مفید ہے۔ جن بچوں کو بعض دفعہ سوءہضمی کی شکایت ہوتی ہے اُن کے لئے چونہ کا نتھرا ہوا پانی بہت مفید ہے۔ تھوڑا سا چونہ ایک مٹی کے برتن میں ڈال دو۔ اور پانی بھر دو۔ چونہ اندر بیٹھ جائے گا۔ اور پانی اوپر رہے گا۔ یہ نتھرا ہوا پانی ہاضمہ کو بہت اچھا ہے جس کو لائم واٹر بھی کہتے ہیں اور جو ڈاکٹروں یا دواخانوں سے بھی نتھرا نتھرایا مل سکتا ہے میں اوپر البومین اور فیبرین کا ذکر کرآئی ہوں۔ گوشت میں

خصوصاً یہی دو چیزیں ہوتی ہیں۔ اسلئے گوشت خور جانوروں کی نسبت جو جانور گوشت نہیں کھاتے اُن کا گوشت ہلکا ہوتا ہے اور بہت آسانی سے ہضم ہو جاتا ہے۔ ہمارے پاک مذہب نے ہماری معمولی باتوں میں بڑے بڑے مرحلے طے کر دیئے ہیں بشرطیکہ غور سے دیکھو۔ اسی وجہ سے ہمارے واسطے اُن جانوروں کا گوشت حلال ہے۔ جو گوشت نہیں کھاتے۔ درندے کا گوشت حرام۔ گوشت اناج کے مقابلہ میں جلد ہضم ہوتا ہے۔ بالخصوص مچھلی۔ کیونکہ البومین بہت زیادہ ہوتا ہے اور اسی لئے اس کا گوشت سفید ہوتا ہے۔ گوشت میں جس قدر البومین زیادہ ہوگا اسی قدر فیبرین یا چربی کم ہوگی اُسی قدر جلد ہضم ہوگا۔ کبوتر اور مُرغی کا گوشت بکرے اور مینڈھے سے جلد ہضم ہونیوالا ہے۔ لیکن بطخ کا گوشت اس لئے کہ اس میں فیبرین زیادہ ہے ثقیل ہے اور دیر میں ہضم ہوتا ہے۔ کلیجی۔ بھیجا یا سینہ کا گوشت آسانی سے ہضم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں فیبرین زیادہ ہوتا ہے۔ میں اس کے ساتھ ہی تم سے یہ بھی کہوں گی کہ غذا جس قدر سادہ ہو اسی قدر بہتر ہے۔ کیونکہ امراض کی جڑ صرف غذا کے تکلّفات ہی معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ پہلے زمانہ میں جب سادہ غذائیں اور معمولی کھانے ہوتے تھے۔ نہ مرض تھے نہ یہ شکائتیں۔ ان کی عمریں بھی ہم سے زیادہ ہوتی تھیں اور ان کا زمانہ بیماری بھی بہت کم یونان اور روما کے لوگ اپنے وقت میں بہت سادہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ لیکن اُن کے بڑوس میں تکلّفات شروع ہو گئے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ یونان اور روما والے جسمانی اور ذہنی طاقتوں میں ہمیشہ اُن سے فائق رہے۔ خیر یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ بحث غذا کے متعلق تھی۔ کھانا جہاں تک ممکن ہو گرم کھانا چاہئے۔ ٹھنڈا کھانا اتنا مفید نہیں ہوتا جتنا گرم کیونکہ غذا میں چربی کا مادہ ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے۔ اگر وہ گرم اور سیال ہو تو ظاہر ہے کہ ہاضمہ کے لئے بہت آسانی ہوگی۔ اگر وہ ٹھنڈی ہوگی تو معدہ کی حرارت جو غذا کو ہضم کرتی ہے۔ چربی کی ٹھنڈک سے

سست ہوجائیگی بعض جگہ میں نے دیکھا ہے کہ کھانے کے بعد میوہ کھایا جاتا ہے۔
مثلاً اخروٹ۔ بادام۔ کاجو۔ کھوپرہ۔ کیٹمش وغیرہ۔ لیکن یہ اصول صحت کے خلاف ہے۔
کیونکہ یہ چیزیں ہاضمہ کے لئے ثقیل ہیں۔ اور جب غذا خود ہی ہضم نہیں ہوئی۔ تو یہ
جاکر اُلٹا ہضم میں خلل ڈالدیں گی۔ ہاں اگر پان کی طرح اُن کے کھانے کی اشد
ضرورت ہو اور وہ بھی اسی لئے کہ منہ صاف ہوجائے تو بہتر ہوگا کہ یہ چیزیں نمک
کے ساتھ کھائی جائیں تاکہ ہضم ہوسکیں۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر آرام
اور رات کا کھانا کھانے کے بعد تھوڑی سی چہل قدمی صحت کے لئے بہت اچھی
ہے۔ کیونکہ کھانے کے بعد اگر محنت کی تو معدہ کا خون دوسری جانب منتقل ہوجائیگا
اور ہضم میں دقّت ہوگی۔

میں اس مضمون کو اگر خدا کو منظور رہا تو آیندہ ضمیمہ میں ختم کردوں گی لیکن آج بھی
اِس کے ختم سے پہلے میں تم کو کچھ کام کی باتیں غذا کے متعلق بتانا چاہتی ہوں۔

"جو عورتیں بچوں کو دودھ پلارہی ہیں اُن کو پنیر یا سرکہ بہت کم کھانا چاہیئے بلکہ
ممکن ہو تو قطعی نہ کھائیں کیونکہ ان دونوں کا اثر خون پر اس قسم کا ہوتا ہے کہ دودھ
کی پیدائش میں کمی کرے گوشت کو اگر معمولی وقت سے زیادہ دیر رکھنا منظور رہو تو
پکاکر اس طرح دبائیں کہ جو کچھ اس میں پانی کا عرق موجود ہو نکل جائے اور پھر
جست کا ایک ڈبہ لے کر اس کی ہوا نکال دیں اور گوشت بھر کر اس طرح بند کریں
کہ ہوا کا گذر وہاں نہ ہونے پائے۔ اس طرح بند کے جس وقت اس ڈبہ کو کھولیں گے۔
گوشت بالکل تازہ نکلے گا۔ اسی طرح انڈوں کو زیادہ دن رکھنا منظور رہو تو ہوا
جو مسامات میں داخل ہوتی ہے اس کو بند کردو۔ کیونکہ وہی انڈے کو گندا کرتی ہے۔
اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ اگر تیل مل دو تو مسامات بند ہوجائیں گے۔ لیکن چربی فوراً

مسامات کو بند کر دیتی ہے۔ بچوں کو بعض دفعہ دست اور قے شروع ہو جاتے ہیں۔ دودھ پینے بچوں کو اس قسم کی تکلیف اکثر ہوتی ہے۔ اس کی وجہ محض پیٹ میں بادی چیز کا موجود ہونا ہوتا ہے۔ جائفل کو باریک پیس کر اس میں مگنیشیا اور اس کا ملنا آسان نہ ہو تو ذرا سی کھریا ملا کر سفوف دینا بہت مفید ثابت ہوگا۔"

(۴۷)

تقریر ختم ہوتے ہی چاروں طرف سے نسیمہ بیگم کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے گئے۔ اور ہر طرف سے آفرین و مرحبا کی آوازیں آئیں۔ کچھ ایسا اثر ہوا کہ آٹھ دن کاٹنے بیویوں کو آٹھ برس ہو گئے۔ جہاں دیکھو یہی چرچا اور جدھر سنو یہی مذکور جو ہے وہ جمعہ کا منتظر۔ خیر خدا خدا کر کے جمعہ آیا تو عورتوں کو خاصی اچھی عید ہو گئی۔ گیارہ ہی بجے سے کھانے سے فارغ ہو ہو ڈولیاں اترنے لگیں۔ ڈھائی بجے نماز سے فراغت پا نسیمہ بیگم پھر کھڑی ہوئیں اور کہا:۔

"بہنو! بعض باتیں کھانے کے متعلق ہر بیوی کو خوب ذہن نشین کر لینی چاہئیں۔ مثلاً دست آنے والے بچوں کو خشکہ مفید ہے، کھانے کے برتن جہاں تک ممکن ہو چینی کانچ کے ہوں۔ بالکل تھے کی اتری روٹی جو اکثر لوگ کھاتے ہیں صحت کو مفید نہیں جن بیویوں کو بیکاری کے سوا کوئی کام نہیں ان میں چربی زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ جو صحت کو مضر ہے۔ اس کی مثال اس طرح سمجھ لو کہ اگر تم مرغیاں پالو اور ان کو چالیس روز بند رکھو باہر نہ پھرنے دو۔ وہیں دانہ پانی دیدو تو وہ فربہ ہو جائیں گی اور چربی بڑھ جائیگی۔ اب میں تم سے دودھ کے متعلق کچھ کہتی ہوں کیونکہ یہ بھی ہماری غذا کا بڑا جزو ہے۔ سب سے پہلے میں تم کو عورت کے دودھ کا حال بتاتی ہوں۔ ان میں ایک چیز کیسائین ہوتی ہے۔ دوسری شکر اور مسکہ کی صورت میں چربی۔ گائے کے دودھ میں کیسائین عورت کے دودھ سے زیادہ ہوتی ہے لیکن شکر کا حصہ کم ہوتا ہے۔ اس لئے گائے کے

دودھ میں چونکہ کیسائین زیادہ ہوتا ہے وہ بادلوں اور بجلی کے وقت جلد خراب ہو جاتا ہے کیوں کہ اس وقت ہوا میں اوزون پیدا ہو جاتا ہے اور یہ اوزون بہت ہی تیز آکسیجن ہوا ہے اور یہ ہوا خود نہایت ترش ہے جس کی وجہ سے دودھ میں لاکٹک نمک کا مادہ بن جاتا ہے۔ اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ دودھ کبھی ایسی حالت میں کچّا نہ رکھّا جائے کیونکہ جوش دینے سے جو آکسیجن اس میں ہو وہ مادّہ فوراً جل جاتا ہے۔ یہ بھی سمجھ لو کہ گائے کا دودھ بچّوں کو یا کمزور معدے والوں کو موافق نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں جیسا میں نے اوپر بیان کیا مسکہ ہوتا ہے اور بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اگر بھینس کا دودھ میسر نہ آسکے تو گائے کے دودھ میں سے بالائی کا حصّہ نکال کر دینا بہتر ہوگا۔ دودھ کو اگر یہ اندیشہ ہو کہ خراب ہو جائے گا تو ہم اس طرح محفوظ رکھ سکتے ہیں کہ سیر بھر دودھ میں دس گرین کاربونیٹ آف سوڈا ملا دیں۔ جہاں تک میں خیال کرتی ہوں یہ دودھ آٹھ دس روز خراب نہ ہوگا۔ شیشہ کے برتن میں دودھ رکھنے سے بعض دفعہ اِدھر اُدھر کرولوں میں بالائی جم جاتی ہے لیکن یہ ہرگز نہ کھانی چاہیئے کیونکہ اس میں نمک کا مادہ ہوتا ہے اور شیشہ سے مل کر بڑھ جاتا ہے۔ دورانِ حمل میں بعض عورتوں کو صفرے کا زور ہوتا ہے قے ہوتی ہے۔ چکّر آتے ہیں جی متلاتا ہے اس کا علاج سب سے بہتر یہ ثابت ہوتا ہے کہ پانی کے آدھے گلاس میں آدھا چمچہ خاک کیا ہوا چونا ایک چمچہ مگنیشیا ڈال کر پی لیں۔ اس تکلیف کے وقت تمام غذاؤں سے بہتر چاول ہے ایک اور بھی علاج اچھا ثابت ہوا ہے کہ کاربونیٹ آف سوڈا دس گرین اس کا سفوف دن میں تین مرتبہ استعمال کریں قدرے پانی کے ساتھ کثرت سے چائے کا استعمال یوں تو سب ہی کو مضر ہے لیکن حاملہ کو اور بھی زیادہ۔ کیونکہ معدے کی قوت کو کمزور کرتی ہے۔ ہاں ایک دو دفعہ پینے کا مضائقہ نہیں۔

اب میں کچھ تمہارے لباس کے متعلق کہتی ہوں گرم ہوا میں چکنے اور صاف کپڑے کا لباس صحت کے لئے ہمیشہ مفید ہوگا۔ تنگ لباس کے مقابلہ میں ڈھیلا ڈھالا لباس زیادہ گرم ہوتا ہے۔ حالانکہ سمجھا یہ جاتا ہے کہ تنگ لباس زیادہ گرم ہوگا۔ کیونکہ ڈھیلے کپڑوں میں گرم ہوا کی تہہ جم جاتی ہے۔ تنگ ہوا تو اندر نہیں آنے پاتی بعض بیویاں جاڑوں میں یہ غلطی کرتی ہیں کہ اندر کمرے میں گرم لباس پہننے یا کوئی کپڑا اوڑھے بیٹھی ہیں اور باہر جانے کی ضرورت ہوئی تو فوراً اٹھیں اور چلی گئیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیرونی سرد ہوا فوراً جسم میں داخل ہو کر ڈال دیتی ہے۔ اس کی ہمیشہ احتیاط رکھتی رہیئے۔ یوں تو بہت سی چیزیں ہیں جو سردی کی حفاظت کر سکتی ہیں لیکن سردی لگنے کا اصل مقام پیٹ ہوتا ہے اور سب سے زیادہ اس کی حفاظت ضروری ہے۔ فلالین اس کام کے لئے بہت بہت مفید ثابت ہوئی ہے اور جاڑوں میں پیٹ کا اس سے ڈھکا رہنا اچھا ہے کیونکہ وہ ہوا کو جذب کر لیتی ہے اور اندر داخل نہیں ہونے دیتی جس کی وجہ سے نزلہ اور کھانسی پیدا ہوتے ہیں۔ جسم کے کسی حصّہ میں اس قدر پسینہ نہیں نکلتا جس قدر پاؤں سے۔ اس لئے وہ جس قدر جلد نکلتا ہے اتنا ہی جلد خشک ہونا چاہیئے۔ اس لئے بجائے سوتی موزوں کے اونی موزے مفید ہوں گے کیونکہ جسم بھر میں پسینہ کو بہا دینے والے پاؤں ہیں۔ جتنا اُن کے مسامات کا انتظام ہوگا اتنا ہی پسینہ نکلے گا۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو پاؤں میں موزے زیادہ پہننا صحت کو مفید ہے۔ میں نے ابھی تنگ لباس کا ذکر کیا تھا۔ یہ صحت کے واسطے مضر چیز ہے۔ کیونکہ دوران خون کو روکتا ہے اور نسوں کے فعل کو بند کر دیتا ہے اور اس سے طرح طرح کے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ زیادہ کپڑے پہننا بھی مضر ہے کیونکہ اس سے پسینہ زیادہ آیا تو جسم ناتواں ہو جائے گا۔ مناسب ہوگا کہ آج

ہی ہوا کے متعلق بھی اپنی عزیز بہنوں کو کچھ بتاؤں۔ کیونکہ ہماری زندگی کا دارومدار
اسی پر ہے بہنو اور بیٹیو! اس میں دو عنصر ہوتے ہیں۔ دونوں یاد رکھنا۔ ایک
کا نام آکسیجن ہے جس کا میں اوپر ذکر کر آئی ہوں۔ دوسرے کا نام نائٹروجن
ہے۔ یوں تو بہت سے اجزا ہیں۔ مثلاً پانی۔ کاربانک ایسڈ گیس وغیرہ مگر یہ
دو بڑے جزو ہیں ہوا ہمارے خون کو آکسیجن پہنچاتی ہے جس سے ہم زندہ رہتے
ہیں۔ یوں سمجھو ہمارے ہر سانس میں آکسیجن اندر داخل ہوتی ہے اور ہر سانس کے
ساتھ جو باہر آتا ہے کاربانک ایسڈ گیس نکلتی ہے۔ ہم جو کچھ کھاتے ہیں اس
کا معدہ میں دودھ کی طرح عرق بنتا ہے۔ یہ عرق دوران خون کے ذریعہ
پھیپھڑے میں سے جاتا ہے۔ سانس سے جو ہوا اندر پہنچتی ہے یہی آکسیجن ہے
وہ اس عرق کو سرخ رنگ کا بنا دیتی ہے اور خراب ہوا کو باہر کے سانس کے
ذریعہ سے نکال دیتی ہے۔ جہاں جگہ کم ہو اور آدمی زیادہ۔ وہاں کی ہوا
اسی وجہ سے خراب ہو جاتی ہے اور امراض شروع ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ہر شخص
اپنے سانس سے آکسیجن کو کم کرتا ہے اور کاربن سے ہوا بھر دیتا ہے اور جب آکسیجن
نہ ہو اور پھر کاربن پیٹ میں داخل ہو تو ظاہر ہے کہ کیسا برا اثر ہوگا اسی لئے میلوں
تماشوں میں آدمیوں کی کثرت کے موقع پر یہ احتیاط کی جاتی ہے مکانوں میں
روشندان بھی اسی لئے رکھے جاتے ہیں کہ دھوئیں کے ساتھ خراب ہوا کو باہر نکال
دیں گھر میں ضرور اس اصول کے خیال سے پھل پھلاری کے درخت گملے۔ پودے
وغیرہ بہت مفید ہیں۔ کیونکہ ان کی پرورش کاربن سے ہوتی ہے اور اس ہوا کو
وہ فوراً جذب کر لیتے ہیں۔ کیچڑ یا سڑی ہوئی چیزوں میں کاربن کا مادہ بہت
زیادہ ہوتا ہے اس لئے گھر میں اگر ایسی چیزیں ہوں تو ان کو فوراً دور کر دینا چاہئے
تاکہ کاربن اچھی ہوا کو بھی مل کر خراب نہ کر دے میں نے پچھلے جمعہ کو اپنی تقریر ختم

کرنے سے پہلے تم کو کچھ کام کی باتیں بتائی تھیں۔ اس لئے آج بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تم سے ویسی ہی کچھ باتیں کہوں۔ اگر تمھارے گھر میں پھولوں کے پودے ہوں اور پھول خود بخود سکڑ جائیں تو سمجھنا بارش ہونے والی ہے۔ اگر مرغ بے وقت اذان دے۔ زیادہ بے چین ہو تو بھی مینہ برسنے کا احتمال ہے۔ اسی طرح اگر چڑیاں چوں چوں کریں۔ اور بھاگتی پھریں تو غالباً مینہ برسے گا۔ بطخیں یا ہنس تالابوں میں جا کر اگر اپنی چونچ سے پانی اچھالیں تو برسات شروع ہوگی مکڑیاں اگر نظر نہ آئیں اور چھپنے کی کوشش کریں تو سمجھو کہ برسات آگئی۔ مرغیاں اگر مٹی کھود کر اس میں بیٹھنا شروع کریں تو یہ بھی برسات کی علامت ہے۔ جو کچھ میں نے کہا پیشین گوئی نہیں بلکہ بارش کا انحصار ہوا پر ہے اور جانور انسان سے بہت زیادہ ہوا کو پہچانتے ہیں اور اس کے اثر سے واقف ہیں حد یہ ہے کہ چیونٹی بھی بارش کی ہوا کو ہم سے بہتر سمجھ سکتی ہے جب دیکھو چیونٹیاں کثرت سے انڈے بلوں میں لے جا رہی ہیں تو سمجھ لو کہ بارش ہونے والی ہے۔"

(۲۸)

مرابعہ کیسی ہی نگمری کیوں نہ تھی۔ مگر نسیمہ کے گھر میں قدم دھرتے ہی وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ شامت آئی اور بری طرح آئی۔ وہ آرام طلبی اور بیکاری کا اینڈنا ختم ہوا۔ نسیمہ نے پہلے ہی دن نئے مکان میں جا کر چاروں طرف سپیدی کرائی۔ تاکہ کسی قسم کے مرض متعدی کا اثر موجود ہو تو جاتا رہے۔ خوب اچھی طرح گندک روشن کی۔ لوبان جلایا کہ ہوا صاف ہو جائے۔ اس کے بعد مرابعہ کے سوتیلے بچوں کو نہلا دھلا کر کپڑے بدلوائے۔ اپنے ساتھ سلاتی اپنے ہاتھ سے اٹھاتی ذرا کھانے میں دیر ہوئی اور وہ سب کام چھوڑ چھاڑ خود باورچی خانہ جا پہنچی۔ بھاوج کا یہ رنگ دیکھ کر کس طرح ممکن تھا کہ مرابعہ الگ تھلگ رہتی چند ہی روز میں بھاوج کی دیکھا دیکھی وہ خود

بھی بچّوں سے لپٹنے لگی جس گھر میں کبھی مہینوں چاندنی نہ بدلی جائے۔ وہاں یہ کینچلی بدلی گئی کہ دونوں دالانوں میں اُجالا، صاف شفّاف بچھونا۔ دھبّہ نہ چکتا۔ پلنگ بچھے بچھونا ہوا۔ دونوں وقت جھاڑو، علی الصباح میز کرسیوں کی صفائی۔ نذر و کی صاحب کی بھی آنکھیں کھل گئیں۔ وہی بیوی جو دن کے نو بجے پلنگ سے اُٹھتی نماز کے وقت بچّوں کا ہاتھ منہ دھُلاتی اور چاء پلاتی۔ انجمن کا سب سے پہلا کام بی رابعہ کی اصلاح تھی۔ جب نسیمہ کو رابعہ کی طرف سے پورا اطمینان ہوا اور نذر و کی کو بھی مطمئن اور بشاش دیکھا تو ایک جمعہ کو اُس نے اپنی تقریر اس طرح شروع کی۔

"میں اپنی پیاری بہنوں سے آج جدا ہوتی ہوں۔ مجھ کو دو مہینے سے زیادہ اس محلہ میں آئے ہوگئے۔ گھر کے تمام کام کاج چوپٹ پڑے ہیں بچّوں کی تعلیم کا حرج ہو رہا ہے۔ لڑکیوں کے جو اوقات مقرر تھے اُن میں فرق پڑ رہا ہے۔ میں اپنی عزیز رابعہ کی ممنون ہوں اور تم سب بہنوں کے سامنے اُن کے احسان کا اقرار کرتی ہوں کہ انھوں نے اپنی شرافت سے کام لے کر میری عزّت بڑھائی۔ میری درخواست کو منظور کیا اور اپنے گھر کو سنبھال لیا اور مجھے اُمید ہے کہ اسی طرح یہ ہمیشہ اپنے بزرگوں کی آبرو کا لحاظ رکھیں اور کسی کو شکایت کا موقع نہ دیں گی۔ بوا رابعہ بیگم ہم مسلمان ہیں صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جو سب سے پہلے عورت کی حمایت کو اُٹھا۔ ورنہ دُنیا نے عورت کو جانور سے بدتر بنا دیا تھا۔ اب تک تم بعض قوموں میں بیوی کو لونڈی اور ماما سے بدتر پاؤ گی۔ وہ مرد کی پرستش کرنے والی ہے اور اس کی زندگی کا مقصد صرف یہی ہے کہ وہ شوہر میں فنا ہو جائے لیکن ہمارا سچّا مذہب ہم کو میاں بیوی کے تعلقات میں وہی تعلیم دے رہا ہے جو ہماری زندگی کے واسطے مفید و کارآمد ہے۔ شوہر ہمارا خدا ہے نہ رسول۔ وہ ہمارا معاون ہے۔ اور ہم اُس کے مددگار لیکن ہم جیسی بیویاں اپنے مذہب کو بدنام کرتی ہیں اور دوسروں کو اس پر ہنسواتی ہیں مجھے خوب اچھی طرح

یاد ہے جب سلیمہ بیگم کے شوہر نے دوسرا نکاح کر لیا ہے اور اس لیئے کہ وہ سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے۔ مگر اس نیکبخت نے مطلق شوہر کی پرواہ نہ کی۔ آٹھ دن کے واسطے میکہ آئی اور آٹھ مہینے میں گئی تو اس کی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی مس جوزف نے میرے سامنے جب سلیمہ کی ہمدردی کی تو کھلم کھلا کہہ دیا کہ کیا کریں۔ یہ سلوک تمہارے مذہب نے تمہارے ساتھ کیا۔ غور کرو کتنا بڑا زبردست حملہ اسلام پر ہے۔ قصور خود سلیمہ کا تھا کہ وہ شوہر بدنصیب کے دوسرے نکاح کی وجہ ہوئی اور اعتراض مذہب پر ہوا ہم کو خدا کا لاکھ لاکھ شکر گزار ہونا چاہیئے کہ ایسا دین ہم کو ملا جس میں ہمارے حقوق کی پوری حفاظت ہوئی۔ ہم اپنے مال کے مالک اپنی مرضی کے مختار اور اپنے خدا کی مخلوق ہیں۔ لیکن افسوس ہے ہمارے حال پر اگر ہماری وجہ سے مردوں کو ایسی تکلیف پہنچے کہ وہ عقد ثانی یا طلاق پر مجبور ہوں۔ اسلام نے ہم کو سب کچھ دیا۔ باپ کے ہاں ترکہ دیا۔ ماں کے ہاں حصہ دیا۔ شوہر کے ہاں ورثہ دیا۔ سب سے بڑھ کر مہر دیا اس کا بدلہ یہ کہ ہم مردوں کے حق کو جو وہ شرعاً حاصل کریں۔ دوسروں کی نگاہ میں ذلیل کریں۔ یقیناً تعداد ازدواج کی وجہ ہمیشہ موجودہ بیوی ہوتی ہے مگر لوگ اس کا مضحکہ اڑاتے ہیں اور اس بدبخت کو قابلِ ہمدردی سمجھتے ہیں۔ اس نے اگر اپنے فرائض کے ادا کرنے میں غفلت کی ہے اور یہ وجہ عقد ثانی کی ہوئی تو بتاؤ کیا گناہ ہوا۔ اور کیوں وہ ایک بیکار زندگی بسر کرتا۔ رابعہ بیگم مجھ کو تمہاری قبر میں سونا ہے نہ تمہیں میری۔ مگر زندگی اور زندگی کے اعمال و افعال کا جواب تم کو اور مجھ کو ضرور دونوں کو دینا ہے۔ اسلام نے ہم کو ہر قسم کی آسائش اور ہر طرح کا آرام دیا ہے۔ غور کرو اور سوچو۔ فرماتے ہیں۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ یعنی انسان اور جن سب کو عبادت کیواسطے پیدا کیا ہے تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم سوا عبادت کے کچھ کریں ہی نہیں۔ اسلام

ہم سے یہ توقع نہیں کرسکتا بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارا ہر فعل جو معصیت نہ ہو عبادت ہے۔ ہم بچوں کا منہ دھلائیں عبادت۔ شوہر کی روٹی پکائیں عبادت۔ گھر کی جھاڑو دیں عبادت۔ اپنے کپڑے بدلیں عبادت۔ غرض کام اپنا اور ثواب مفت کا۔ کیسی خوبیوں کا دین اور کیسی بھلائیوں کا مذہب ہے۔ یہاں کی پر لطف زندگی عبادت۔ اور وہاں کا اکرام مفت کی عنایت جو اپنی غفلت اور تمکنت میں شوہروں کی نارضامندی سے زندگی تباہ کر رہی ہیں وہ یہاں تو خیر ہزار دقت و مصیبت دن پورے کریں ہی گی۔ مگر جب وہ وقت آیا کہ روح نے عالم بالا کو پرواز کیا تو تو بتاؤ کیا گزری۔ فرماتے ہیں۔

اور ہیں عمل بُرے تو ہوئی عاقبت خراب ۔۔۔ ایذائیں طرح طرح کی اقسام کے عذاب

اور سب سے زیادہ خالق کونین کا عتاب ۔۔۔ گر پوچھنے پر آئے تو کیا بن پڑے جواب

حق کو جو ناپسند ہو تف ایسے کام پر

مالک ہی خوش نہیں ہے تو لعنت غلام پر

مختصر یہ کہ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے۔ خدا ایسی زندگی سے سب کو بچائے اور اپنے حبیب کے طفیل سے ہم کو توفیق دے کہ ہم نیک بیویوں کا سا نمونہ ہوں کہ اپنے پاک مذہب کو معراج کمال پر پہنچا دیں۔"

نسیمہ بیگم کی تقریر ختم ہوتے ہی بیویوں نے غل مچایا کہ ابھی ہم آپ کو نہ جانے دیں گے اگر آپ کا ارادہ مصمم ہوگیا ہے تو براہ کرم ایک جمعہ اور تقریر فرمائیے تاکہ انجمن آپ کو شکریہ کے ساتھ رخصت کرے اور آپ کے احسانات کا اعتراف کرے۔

(۲۹)

نسیمہ کو جانے کی جلدی تو بہت تھی مگر اس قدر زیادہ اصرار سے اس کو ایک جمعہ اور ٹھہرنا پڑا۔ جمعہ آیا تو عورتوں کا یہ انبوہ ہوا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی یہ آخری تقریر تھی

جس کو نسیمہ نے ان الفاظ میں ادا کیا۔

"مجھ کو عورتوں کے فرائض میں سب سے زیادہ ذمہ داری کا کام بچوں کی پرورش معلوم ہوتا ہے اس لئے آج اسی پر بحث کرتی ہوں۔ بچوں کی پرورش گڑیا کا کھیل نہیں ایک ایسی ذمہ داری ہے کہ اگر اس میں ذرہ بھر غفلت کی جائے تو خاندان اور قوموں کی قومیں تباہ ہو جائیں۔ مسلمانوں کی حالت جو کچھ اس وقت ہے اُن کی بدنصیبی۔ اُن کا افلاس، چال چلن کی خرابی۔ بداطواری۔ نالائقی جہالت وغیرہ یہ سب اسی غفلت کا نتیجہ ہے کیا تم نہیں سمجھ سکتیں کہ بچے جو کچھ ہماری گودوں میں سیکھیں گے وہی آئندہ چل کر اُن کا طرز عمل ہو گا اور جو خیالات اس وقت ان کے دماغ میں پیدا ہو جائیں گے وہ ایسی عادتیں ہوں گی کہ صرف موت اُن کو چھڑا سکتی ہے۔ پس ہر بچے کی نالائقی اس کی ضد اور اس کے مکر و فریب کی ذمہ دار اس کی ذات نہیں بلکہ اس کی ماں ہی جس نے گود میں اس کو یہ تمام باتیں سکھا دیں۔ اور اگر وہ احتیاط کرتی اور اس کی طبیعت کو ان عیوب و نقائص سے پاک رکھنے کی کوشش کرتی تو اس کا لال لالوں کا لال ہوتا۔ ہم جس وقت کسی نیک سعادتمند اور غریب ہمدرد بچے کو دیکھتے ہیں تو ہمارا جی خوش ہوتا ہے اور بے اختیار دل سے دعا نکلتی ہے کہ اس کی ماں کا کلیجہ ہمیشہ ٹھنڈا رہے لیکن جس وقت اس کے برخلاف کسی نالائق، چھوٹے شریر، پھکڑ بے تمیز بچہ کو دیکھتے ہیں تو فوراً یہ کہتے ہیں کہ کیسی پھوہڑ عورت ہے جس نے ایسا بچہ اٹھایا۔ تم نے یہ مثل تو سنی ہو گی کہ سگھڑ کی جھاڑو نہ دے پھوہڑ کا بچہ نہ لے۔

اس کے کیا معنی ہیں یہی کہ سگھڑ کی سمجھ میں دوسرے کی جھاڑو ہر گز نہ آئیگی۔ وہ جب تک اپنی مرضی سے صفائی نہ کرے گی اس کو صبر نہ آئے گا اور پھوہڑ کا بچہ گود میں لینا اپنے کپڑوں کو خراب کرنا ہے وہ کیچڑ میں لتھڑا پتھڑا مٹی میں سنا بدتمیز ہو گا۔ تو خوب سمجھ لو کہ ہم اپنے بچوں کی پرورش اچھی طرح کریں گے تو ہمارا ہی جی خوش نہ ہو گا

بلکہ جو دیکھے گا وہ تعریف کرے گا۔ اور خود ہمارے بچّے اپنی زندگی میں اپنی نیک عادتوں سے خوش وخرّم رہیں گے۔ مامتا ایک قدرتی جوش محبّت ہے جو سب ماؤں کے دل میں لہریں لیتی ہے۔ رات کو جب وقتِ عالمِ تنہائی میں اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو بھینچ بھینچ کر لپٹاتی ہیں تو ہم سب کو سب سے پہلے یہ خیال کر لینا چاہئے کہ اِن کی پرورش آسان کام نہیں۔ ہم خواہ اِن کو آدمی بنادیں یا جانور۔ جو کچھ یہ ہم سے سیکھیں گے وہی اُن کی زندگی ہوگی اور وہی اُن کی دُنیا۔ گویا ماں کی زندگی اس کے واسطے سبق ہوگی۔ ماں اس کی ماں بھی ہے اُستاد بھی ہے۔ دودھ بھی پلائے سبق بھی دے۔ ہم سب نے ماں کی گود دیکھی ہے لیکن وہ وقت ہم کو یاد نہیں۔ ہاں اس سے تھوڑی دور آگے بڑھ کر جو زمانہ آیا وہ ضرور یاد ہے۔ اس شفقت ومحبّت کو یاد کرو۔ ماں کی تصویر تمھاری آنکھوں کے سامنے پھر جائے گی اور ہم کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو کچھ سیکھا اسی سے سیکھا اور اسی طرح اب جو کچھ تم اپنے بچوں کو سکھاؤ گی وہ سیکھیں گے اس ذمّہ داری سے غفلت ایسی غفلت ہے جس کا کوئی علاج نہیں کیونکہ آئندہ نسلیں اس سے برباد ہوں گی اور یہ ایسا نقصان ہوگا جس کی کوئی تلافی نہیں ہوسکتی۔

چوتھی صدی عیسوی کا ذکر ہے کہ افریقہ میں ایک شخص آگسٹن پیدا ہوا اس کی ماں مُنیکا نہایت دیندار اور نیک عورت تھی مگر باپ ایک لامذہب اور آوارہ آدمی تھا۔ بدقسمتی سے آگسٹن پر باپ کا اثر زیادہ پڑا اور وہ بھی شریر اور لامذہب ہوگیا۔ بیٹے کی اس حالت کا مُنیکا پر بہت گہرا اثر پڑا اور اکثر اس کی بدقسمتی پر روتی اور اس کی اصلاح کے واسطے خدا سے دُعا کرتی۔ گو باپ کے اثر نے آگسٹن کی طبیعت میں بُری بُری عادتیں پیدا کردی تھیں مگر ماں کی پرورش کا اثر بھی شامل تھا جو کسی طرح زائل نہ ہوسکتا تھا اور جس کا نتیجہ یہ تھا کہ خود آگسٹن بھی بعض دفعہ اپنی حالت پر افسوس کرتا اور اپنی زندگی پر نادم ہوجاتا۔ اس نے اپنے حالات کی ایک

کتاب لکھی ہے جس میں اس کی کیفیت پوری درج ہے۔ اس کتاب کا نام کنفیشن ہے
جب باپ کے اثر سے وہ اپنی زندگی برباد کر چکا تو ماں کا دودھ بھی خالی نہ گیا اور نیک
نفس دیندار مونیکا کی گود میں جو خیالات ننھے سے دماغ میں بیٹھ چکے تھے وہ اب اُبھرے
اُس نے افعال سے توبہ کی اور خدا کے حضور میں اپنے گناہوں کی معافی مانگی چنانچہ
وہ لکھتا ہے۔ اے حقیقی آقا تو نے میری ماں کی دُعا کو سُنا۔ التجا قبول کی میں سمجھتا تھا
اور دیکھتا تھا۔ کہ جس وقت وہ تیرے حضور میں حاضر ہوتی تھی اور اتنا روتی تھی کہ
وہ جگہ آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی تو میں اس کی گریہ وزاری سے متاثر ہوتا تھا۔ یہ
صرف اس نیک خصلت ماں کی صحبت کا اثر تھا جس نے مجھ بھولے بھٹکے کو روشنی دکھا کر
تیرے حضور میں حاضر کیا۔ تم سب بیویوں نے سُنا ہوگا کہ ماں کی دُعا خالی نہیں جاتی۔
جس روز آگسٹن نے اپنے افعال سے توبہ کی ہے اسی روز مونیکا نے خواب میں دیکھا
کہ وہ ایک جنگل بیابان میں خاموش کھڑی ہے کہ دفعتاً ایک شخص نے آکر کہا "مونیکا
اس قدر خاموش کیوں کھڑی ہے" اس نے جواب دیا "میں اپنے پیارے آگسٹن
کی بربادی پر رو رہی ہوں" اُس نے کہا "خوش ہو جا آج سے آگسٹن نے توبہ کی
اور اپنی عادتیں چھوڑ دیں" بیویو غور کرو بچہ کی بربادی کا اثر ماں پر کتنا تھا۔ یہ خواب
دیکھتے ہی مونیکا بچہ کی تلاش میں روانہ ہوئی۔ سمندر پار اور جنگل طے کیے اور آخر
وہاں تک پہنچی جہاں اُس کا پیارا بیٹا آگسٹن موجود تھا اس وقت آگسٹن لکھتا ہے
رات ہو چکی تھی۔ آسٹریا کا ایک خوبصورت باغ ہماری آنکھوں کے سامنے تھا اور
ہم ماں بیٹے خدا کے برتر و برحق کی عظمت پر بحث کر رہے تھے۔ دفعتاً مونیکا نے مجھے
گلے لگایا وہ روئی اور کہا "میری بھی ایک آواز تھی کہ میرا لال دنیا کے واسطے
ایک نمونہ ہو اور وہ روح جو میرے دودھ سے پلی ہے۔ دُنیا سے پاک صاف
رخصت ہو۔ آج میری آرزو پوری ہوئی اب مجھے یہاں رہنے کی ضرورت نہیں"

منیکا نے اسی رات انتقال کیا۔ مگر دیکھو پرورش کے یہی معنی ہیں کہ ماں اس کی ذمہ داری کو اسی حد تک سمجھے حضور اکرم کا ارشاد ہے۔ المراۃ راعیۃ علیٰ اوصناع ولدہٖ عورت اپنے شوہر کے گھر میں اولاد پر حکمران ہے۔ جب تم اپنے گھر کی باختیار ملکہ ہو تو اپنے ہر فرض کو سمجھو اور اس کو پورا کرو۔ جب قدرت کسی لڑکی کو یہ خدمت سپرد کرے تو لازم ہے کہ وہ لڑکی ابتدا ہی سے ہر قسم کی احتیاط کو کام میں لائیے۔ شاید پہلے بھی ضمناً یہ کہہ چکی ہوں کہ ایسے موقع پر بعض لڑکیوں کو قے اور جی متلانے کی شکایت ہوجاتی ہے اس کے واسطے میں نے پچھلے کسی لیکچر میں کوئی دوا بھی بتائی تھی اور آج پھر بتاتی ہوں۔ زہر مہرہ دریائی۔ نارجیل۔ پپیتا۔ عرق کیوڑہ اور بید مشک میں گھس کر پینے سے بہت

فائدہ ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں صرف بوجھ اٹھانا ہی مضر نہیں ہے بلکہ زیادہ چیخنا کوٹھے پر چڑھنا۔ کسی ایسی کتاب کا پڑھنا یا ایسا گانا سننا بھی ٹھیک نہیں ہے جو موثر ہو بے انتہا خوشی اور معمولی غصہ بھی مضر ہے۔ لیمپ یا چراغ بجھانے کے بعد جو دھواں نکلتا ہے اس کا بھی پیٹ میں پہنچنا اچھا نہیں۔ متعلقین کا فرض ہے کہ جہاں تک ممکن ہو رنجیدہ ہونے سے محفوظ رکھیں تازی ہوا بالخصوص دریا کے قریب کی بہت مفید ہے۔ انگھڑ اور ناتجربہ کار دائیوں کے ہاتھ سے بیسیوں بچے اور لڑکیاں ضائع ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان دائیوں کو کسی قسم کا علم تو ہوتا نہیں۔ صرف اپنی بڑی بوڑھیوں کو یہ ہمیشہ کرتے دیکھتی ہیں اور خود بھی دائی ہوجاتی ہیں۔ بچہ کی پیدائش کے وقت سب سے بڑی مدد قدرت کی ہوتی ہے اور دائی کا معمولی کام جو ہر عورت کر سکتی ہے کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اگر کوئی بات ٹیڑھی پڑ گئی تو یقیناً یہ انگھڑ دائی منہ تکتی رہ جائے گی۔ اس لئے یہ زیادہ مناسب ہے کہ ایسے موقع پر تجربہ کار پڑھی لکھی دائی کو بلایا جائے جب تک ایک آدھ بچہ نہ ہو جائے کسی عورت کو یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ کس کس چیز کی ضرورت کس کس موقع پر ہوگی سب سے پہلے ایسے موقع پر بہت سا پرانا گودڑ کار بالک

صابن سے اچھی طرح دھو کر گھر میں تیار رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ بہت سے کاموں میں آتا ہے۔
زچہ کے واسطے کم از کم چار پرانے مگر اُجلے اور صاف جوڑے ململ کی چار پیٹیاں سر کے دو کسا بے۔ چھ تولئے بچہ کے واسطے وائیولیٹ فیس۔ پوڈر۔ بورک لوشن۔ فلالین کے چار ٹکڑے۔ ایک کنٹوپ۔ چار سیفٹی پن۔ چار جوڑی موزے۔ شہد کی ایک شیشی اور ایک چاقو ہر وقت گھر میں موجود رہنا چاہیئے۔ بچہ کے واسطے ایک کھٹولا حسب حیثیت جس پر اس کا بچھونا بچھا ہوا اور جس میں یہ چیزیں ہوں ضروری ہے۔ تو شک لائی۔ چھ نہاپچے تین تکیئے۔ بارہ پوترے جو مرکیوری لوشن سے ترک کر کے خشک کر دیئے گئے ہوں۔ اس کے علاوہ ایک ٹپ ایک اسپنج۔ ایک بکس پوڈر لف۔ دھلی ہوئی تلی کا تیل ایک بوتل روغن بادام۔ ایک شیشی ایک لوٹا اور ایک سیلاپچی۔
بچہ کی پیدائش ہوتے ہی اس کے منہ اور تمام جسم کی میل و آلائش بالکل صاف کر دینی چاہیئے۔ آنکھ کی صفائی نہایت ضروری ہے۔ اگر غفلت کی گئی تو ہمیشہ آنکھ خراب رہے گی۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بچہ پر سردی کا بہت ہی سخت اور فوری اثر ہوتا ہے۔ اس لئے سردی کی حفاظت نہایت ہی ضروری ہے۔ موسم کے اعتبار سے فلالین یا کوئی سوتی کپڑا اس کو اڑھا دینا چاہیئے۔ اگر ممکن ہو تو گرم پانی کی بوتل کپڑے میں لپیٹ کر اس کے بچھونے میں اس کے پاس رکھ دیں تاکہ ہوا کا زیادہ اثر نہ ہونے پائے۔ اگر بچہ کا جسم نیلا ہو جائے ہونٹ کانپنے لگیں اور بدن ٹھنڈا ہو جائے تو جان لو ہوا نے اپنا اثر اس کی جلد پر کیا اور جلد اس کو گرمی پہنچانے کی کوشش کرو۔ ایک پنگوڑا جیسی خدا توفیق دے بچہ کے واسطے ضرور تیار کرو۔ اس میں یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس کے سر کے نیچے ہی تکیئے ہوں بلکہ دونوں جانب کروٹوں میں تکیئیاں بھی ضرور ہوں۔ بچہ کا منہ ڈھکنا غلطی ہے خصوصاً گہوارہ میں۔ کیونکہ یہاں تازہ ہوا کی سخت ضرورت ہے۔ بچہ کو سلانے میں ماں کو بہت ہی احتیاط چاہیئے ہر پہلو

سلانے سے سر میں پیدائش کے وقت جو نقص رہ جاتا ہے وہ بھی رفع ہو جائے گا
بعض بچّوں کی چھاتیوں پر ورم ہو جاتا ہے اور دبانے سے ایسا معلوم ہو جاتا ہے کہ
دودھ سا نکل رہا ہے۔ ایسی حالت میں روغنِ زیتون آہستہ آہستہ ملنے سے یہ شکایت
رفع ہو جائے گی۔ شروع شروع میں دو تین دن تک تیل کی مالش بہت اچھی ہے۔
نہلانے میں ناں کی احتیاط نہایت ضروری فرض ہے۔ کیونکہ پانی پڑنے سے اس
کے پک جانے کا اندیشہ ہے۔ پندرہ روز تک تیل کی مالش اور پانی میں دودھ
ملا کر نہلانے سے بچّہ کو بہت فائدہ ہوتا ہے۔ جو بچّے کمزور رہیں اُن کو پہلے دودھ اور پانی
سے اس طرح نہلاؤ کہ ہاتھ پاؤں کہنی۔ ران ہر عضو کو الگ الگ دھولو۔ اور پھر
روغنِ زیتون ملکر فوراً کپڑا اُڑھا دو۔ دودھ پلانے کے بعد بچّہ کو نہ نہلانا چاہیئے۔
نہلانے کے بعد دودھ پلانا اور دیر تک سونے دینا ہمیشہ مفید ہے۔ بچّہ اُٹھانے
میں بھی احتیاط لازم ہے۔ شانے کے نیچے بایاں ہاتھ اس طرح رہے کہ سر اور شانہ
ہاتھ پر آجائے اور سیدھا ران اور کمر کے نیچے رہے یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ بچّہ کے
سر کو جھٹکا نہ پہنچنے پائے۔ یہ بہت خطرہ کی بات ہے۔ پوتڑے باندھنے کا عمدہ
طریقہ یہ ہے کہ روئیں دار ملائم تولیہ کا رومال اس طرح باندھیں۔
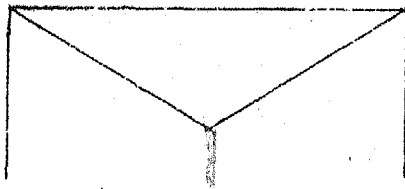
ہمارے بچّے اکثر پھوڑے پھنسی میں گرفتار رہتے ہیں کیونکہ اُن کا لباس ٹھیک نہیں
ہوتا بعض مائیں انگریزی تقلید میں گردن پر سینکڑوں موٹی چنتیں کر دیتی ہیں کرتہ تنگ
اور چُسیت ہو جاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھیپڑوں کو اچھی طرح پھیلنے کا موقع
نہیں ملتا ہمارا اپنا لباس کچھ کم موزوں نہیں بشرطیکہ تنگ نہ ہو۔ کرتہ پاجامہ ڈھیلا

ہو۔ پاؤں میں موزے ہوں۔ نہالچے اور پوتڑے ایسے کپڑے کے ہوں۔ جو جذب بھی کرسکیں اور حرارت بھی پہنچا سکیں۔ خود ماں کا دودھ ہی ایک قسم کا مسہل ہے لیکن کہ بچہ کو قبض کی شکایت ہوجائے تو ایک چمچہ کسٹرائل تیسرے چوتھے روز دیدینا چاہئے۔ املتاس کی گھٹی بہت بُری چیز ہے۔ اور شیرخشت سے بھی مروڑ پیدا ہونے کا احتمال ہے بچہ کی صحت کا دارومدار زیادہ تر ماں کی غذا پر ہی ہے۔ اس لئے ماں کو ایسی چیزیں جو بچہ کی صحت کے لئے مضر ہوں جب تک دودھ پلاتی ہو نہ کھانی چاہئیں بغیر ترکاری کا زیادہ گوشت۔ کچی ترکاریاں، تیز چار سخت کافی ثقیل چیزیں ضرور نقصان پہنچائیں گی جہاں تک ممکن ہو ماں کو خود ہی دودھ پلانا چاہئے۔ کیونکہ قدرت کے انتظام کا نقصان بہت مشکل سے پورا ہوتا ہے۔ رات کے دس بجے سے پانچ بجے تک بچہ کو کبھی نہ جگانا چاہئے اور کوشش یہ کرنی چاہئے کہ اس عرصہ میں جہانتک ممکن ہو بچہ کو دودھ نہ دے۔ جب بچہ کو اس کی عادت پڑ جائیگی تو ماں بہت سی تکلیفوں سے بچے گی اور ان پھوہڑ ماؤں کی طرح جو رات بھر چُپسر چُپسر کرواتی رہتی ہیں۔ دوسروں کو سونے کا موقع نہ دے گی۔ اگر بچہ رات کو جاگ اٹھے اور روئے تو ایک چمچہ کنکنا پانی پلا دیجئے۔ رومال بدلنے اور دوسری کروٹ سلا دینے سے بچہ فوراً سوجائیگا۔ چار گھنٹہ سے کم میں دوبارہ دودھ پلا دینا بچہ کی تندرستی خراب کرتا ہے۔ ناتجربہ کار مائیں بچوں کو وقت کا پابند نہیں کرتیں اور آگے چل کر سخت تکلیف اٹھاتی ہیں۔ اگر دودھ پینے کے بعد بچہ کو ہضم نہ ہو اور نکل جائے تو سمجھ لو کہ دودھ میں چربی ضرور زیادہ ہے۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ دودھ پلانے سے پہلے ایک چمچہ چونے کے پانی کا بچوں کو پلا دو تاکہ دودھ میں حل ہو کر ہضم میں مدد دے۔ بعض مائیں اپنا دودھ ناکافی سمجھ کر بچوں کو شیشی پر لگا دیتی ہیں اور دونوں دودھ آدمی اور جانوروں کا ملا کر نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس لئے جب تک ماں اپنا دودھ

پلارہی ہے وہ ہرگز دوسرا دودھ نہ دے۔ اگر ضرورت مجبور کرے تو دونوں قسم کے دودھ پلانے میں کم از کم دو گھنٹہ کا وقفہ ضرور ہو۔ رنج غصّہ اور صدمہ کی حالت میں بھی بچّہ کو دودھ نہ پلانا چاہیئے ورنہ بچّہ بیمار ہو جائیگا میں نے ایسی مائیں دیکھی ہیں جو بچوں کو چُسنی دینا اچھا سمجھتی ہیں۔ لیکن منہ میں چسنی دینا بعض دفعہ بہت مضر ہوتا ہے۔ زیادہ تھوک نگلنے سے بچّوں کو بدہضمی ہوتی ہے۔

ہمارے ہاں بچّہ کو دو برس دودھ پلانے کا حکم ہے اور ڈاکٹر بھی تحقیق سے اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جب تک آٹھ دانت نہ نکل آئیں دودھ نہ چھڑانا چاہیئے دانتوں کا نکلنا ایسا نازک وقت ہے کہ بہت سی مائیں محض لاپرواہی سے معصوم بچّوں کو قبروں میں پہنچا دیتی ہیں۔ اگر وہ ابتدا سے احتیاط کریں تو ہرگز دانت نکلنے میں بچّوں کو یہ دقتیں جو پیش آتی ہیں نہ آئیں ایسی غذاؤں سے جس میں نشاستہ کا جزو زیادہ ہوتا ہے یا خراب دودھ پلانے سے معدہ بگڑ جاتا ہے اور اس سے بہت سے امراض خصوصاً ام الصبیان پیدا ہو جاتا ہے جو دانت کی تکلیف میں اچھی طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ جوں جوں دانت نکلنے شروع ہوں بچّہ کی غذا میں تبدیلی ہونی ضروری ہے اور اگر اس عرصہ میں کسی قسم کی شکایت بچّہ کو ہو جائے تو فوراً اس کا علاج کرنا چاہیئے تشنج یا خفیف بخار میں سفوف دار چینی یا کسٹر آئل دینا بہت اچھا ہے اور ان معمولی شکایت کو دفع کرتا ہے۔ دانت نکلتے وقت سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ دودھ وقت مقررہ پر پلانا چاہیئے اور اس وقفہ میں اچھی طرح پانی پلانا چاہیئے جس قدر زیادہ سے زیادہ ممکن ہو تازہ ہوا بچّہ کو پہنچائیں اور غذا ضرورت سے زیادہ نہ کھانے کو دیں۔ نہ ایسی چیزیں جو دیر ہضم اور ثقیل ہوں دانت نکلنے میں مسوڑھوں میں سلسلاہٹ ہوتی ہے۔ ماں ان دنوں میں ایسا کپڑا نہ پہنے جس کا رنگ چھٹتا ہو کیونکہ ہر چیز مسوڑھوں میں لے جانے کی کوشش کرتا ہے ایسے موقع پر ربڑ کی چسنی یا ہاتھی دانت کی انگریزی چسنی مفید ہے۔ افیون کا دینا بچّوں

کے لئے بہت برا ہے جو آیندہ اُن کو سُست اور کاہل بنا دیتا ہے۔"
تقریر ختم ہوئی تو انجمن کی طرف سے شکریہ ادا کیا گیا اور نسیمہ بیگم وہاں سے روانہ ہو کر اپنے گھر آئیں۔

(۳۰)

مرابعہ کا گھر ہی ہاتھ سے جا رہا تھا ورنہ کجا نسیمہ بیگم اور کجا یہ انجمن کی تقریریں۔ اتنے دنوں بعد جو گھر پہنچیں تو سب نہال نہال ہو گئے۔ پر محلّہ تک کی بیویاں آئیں۔ شکوے ہوئے شکایتیں ہوئیں۔ کسی سے معذرت کی۔ کسی سے معافی مانگی۔ غرض وہی نسیمہ بیگم وہی بچّے اور وہی اوقات۔ اب نسیمہ کی شادی کو بیسواں سال تھا۔ پہلوٹی کا ایک بچّہ ضائع ہونے کے بعد جس طرح اس نے خلق اللہ کو فیض پہنچایا اسی طرح قدرت نے اس کی بیل بڑھائی۔ وہ اس وقت چھ بچّوں کی ماں تھی بڑا لڑکا ولیمہ اٹھارویں سال میں بی۔ اے کی تیاری کر رہا تھا اور اس سے چھوٹی تسنیم بھی تو پندرھویں برس میں مگر ماشاء اللہ ایسی قیامت کا اٹھان تھا کہ نسیمہ بھی اس کو دیکھ کر سہمی جاتی تھی۔ اس سے چھوٹے دو بچّے اور دو چھوٹی بچیاں۔

دنیا اپنے کاموں میں مصروف اور قدرت کے قانون خاموشی کے ساتھ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ نسیمہ بیگم کی بیش قیمت زندگی کی صبح دوپہر ہوئی اور بالآخر وہ وقت بھی آ پہنچا جب یہ دوپہر ڈھلنی شروع ہوئی اور آفتاب نصف النہار پر آ گیا۔ کل کی بات ہے کہ بی نسیمہ بیگم اس فانی دنیا میں بچّہ تھیں اور پھر وہ دن بھی آیا جب دلہن بنکر پھوپی کے گھر سے رخصت ہو اپنے گھر کی ملکہ اور ساس کی بہو بنیں۔ مگر نسیمہ کی زندگی ایک دریا تھا جس کی لہریں ہزارہا بندگان خدا کو سیراب کر گئیں۔ ایک چمن تھا جس کے پھول ایک عالم کو معطر کر رہے ہیں۔ بیٹی بنی تو ہیرا۔ بیوی بنی تو پارس۔ ماں بنی تو کندن اور انسان بنی تو چندن۔ زندگی کی کسوٹی پر جواہرات کی طرح چمکی اور کوہ نور کی طرح دمکی۔ دنیا نے اس کے افعال سر آنکھوں پر رکھے اور عالم بالا کی مقدس روحوں نے اس کے اعمال پر تحسین کی۔ عمر کا بیش بہا حصہ خدا کی عبادت اور خلق خدا کی خدمت میں صرف ہوا تھا۔ آخر ضعیفی جلد نمودار ہو گئی۔ ہاتھ پاؤں میں وہ کس نہ رہا جسم میں توانائی نہ رہی۔ مرے پر سو دُرّے نزلے نے اور بھی

غضب ڈھایا کہ چاروں ڈاڑھیں نکل گئیں۔

تسنیم کا فکر نسیمہ کے سر پر ہر وقت سوار تھا۔ مگر خوش قسمتی سے یہ فکر زیادہ نہ رہا اور پھوپی کی دور اندیشی نے جلد نسیمہ کو اس سے سبکدوش کر دیا۔

لڑکے تو کنبہ میں بہت تھے مگر سب ناکارہ نالائق اور آوارہ۔ ہاں اس کی حقیقی ماموں زاد بہن کا لڑکا ایسا غنیمت تھا۔ نسیمہ کی شہرت کا ڈنکا چار دانگ عالم بج رہا تھا۔ جس نے تسنیم کو چار چاند لگا دیئے لڑکے والوں کا اشارہ پاتے ہی اسی دن اس نے ہاں کر لی اور تاریخ ٹھہر گئی۔

قسیم بیٹی کے بیاہ پر ایک جہیز کی چھٹی لے کر آیا۔ نسیمہ اُن پھوہڑ بیویوں میں نہ تھی کہ عین وقت پر شوہر کے آگے مصیبت کا پہاڑ ڈال دیتی۔ تسنیم دو ہی برس کی تھی اُس نے آنے والے وقت کو سوچا اور جو کچھ ممکن ہو سکا کبھی دوپٹہ کبھی پاجامہ کبھی قمیص کبھی مصالحہ لیا۔ اور اس دن کے واسطے رکھ دیا۔ قسیم گھبرا رہا تھا کہ دیکھیے بیٹی کیا کچھ اٹھوا کر پیچھا چھوڑتی ہے۔ مگر نسیمہ نے چودہ جوڑے نہایت قیمتی ٹکے ٹکائے سلے سلائے میاں کے آگے ڈال دیئے۔ بہت سی چیزیں اپنے جہیز کی محفوظ تھیں وہ ملائیں اور زیور کے سوا کوئی بوجھ میاں کے سر پر نہ رکھا۔ وداع کا دن آیا تو نسیمہ صبح کے وقت ایک کونے میں تنہا بیٹھی تسنیم کی جدائی کا خیال کر رہی تھی کہ قسیم جڑاؤ گلوبند لیکر آیا اور کہا "بیگم میری رائے میں مالا موقوف کر دو"

نسیمہ کی پندرہ برس کی کمائی تسنیم جیسی بیٹی ماں سے چھوٹ رہی تھی۔ بیٹی کا فراق معمولی بات نہ تھی۔ سوچ رہی تھی کہ تسنیم اپنے گھر چلی۔ آنکھ بند کرتے پندرہ برس گزر گئے۔ میری بچی اس گھر کی مالک نہیں میری مہمان تھی۔ آج اس کی مہمانداری ختم ہوئی اور وہ مجھ سے میرے گھر سے رخصت ہوتی ہے کیسی غریب بچی جس نے آج تک مجھ کو جواب نہ دیا۔ بارہا خفا ہوئی بیسیوں دفعہ گھر کا منہ دیکھ کر چپ ہو گئی۔ یہ اس کے سونے کا کونہ بیٹھنے کا کمرہ کپڑوں کی الماری آج سب اس سے جدا ہوتے ہیں اس کا بچپن میرے سامنے ہے۔ بھائیوں کی ماریں کھائیں باپ کا غصہ سہا اور کبھی اُف نہ کی۔ دو برس کی جان رات بھر کے لئے بچی دالان کے کونوں میں اکیلا چھوڑ گئی۔ واپس آئی تو

کس طرح گلے میں ہاتھ ڈال کر چمٹی ہے۔ میں نے اس کی قدر نہ کی۔ وہ میری محتاج تھی۔ جو ہاتھ اٹھا کر دے دیا وہ کھا لیا۔ جو بنا دیا وہ پہن لیا۔ کیا خبر اس کو اب تقدیر کیا دکھائے۔ ایک دن کی بیاہی کاٹے کوسوں پردیس جا رہی ہے۔ میں ہونگی نہ میرا گھر ہوگا۔ نہ میرے بچے ہوں گے۔ مگر اب تسنیم کہاں نئی دنیا۔ اجنبی لوگ۔ انوکھی باتیں۔ کوئی خبر لینے والا نہ ہوگا کہ کیا گزری۔ مہینہ بھر بھی تو نہیں ہوا تیسرے پہر کو بھوک لگی سالن نہ بچا تھا۔ لہسن کی چٹنی سے روٹی کھا اٹھ کھڑی ہوئی ہیں اس کو اب کیا منہ دکھاؤں اور کس دل سے رخصت کروں۔ کلیجہ پر یہ خیال تیر برسا رہے تھے کہ تسنیم نے آکر گلوبند ڈالا۔ بیتاب ہوگئی۔ آنسو نکل پڑے تسنیم نے پاس آکر تسلی دی تو دل بھر آیا۔ روتی ہوئی اٹھی اور میاں سے کہہ کر لیٹ گئی۔

"خدا کا واسطہ میرے زخموں پر نمک نہ چھڑکو۔"

"تسنیم کا حصہ آج تمہاری کمائی اور میرے مال میں سے ختم ہوتا ہے۔ وہ ہم سے چھٹتی ہے یہ ہمارے رحم کا وقت ہے۔ سرکار میری بچی کو گلوبند بھی نہ دو تو اُف کرنے والی نہیں۔ مگر سسرال اس کا کلیجہ طعنوں سے چھلنی کر دیگی۔ جو زبان سے کہہ چکے ہو اس کی تعمیل اور جو ارادہ کر چکے ہو اسے پورا کرو وہ گھڑی گھڑی تم سے لپٹنے نہ آئے گی۔ گھر اس کے قدموں کو میں اس کی صورت کو اور ماما اس کی آواز کو ترسے گی۔ مگر وہ مجھ سے ہزاروں کوس دور ہوگی۔ اس کی مسکین صورت بھولی باتیں آنکھ کے سامنے ہوں گی۔ اس کی چیزیں نظر کے روبرو۔ مگر پیاری تسنیم خدا اس کی عمر دراز کرے میرے پاس نہ ہوگی فصل کے میوے۔ موسم کی ترکاریاں۔ اللہ تمہارے بچوں کو نصیب کرے منوں آئیں گی۔ مگر تسنیم کا حصہ اس میں نہ ہوگا۔ تم اس روز اپنا گلاس ٹوٹنے پر اتنے خفا ہوئے۔ آج کہتی ہوں خدا کی قسم تسنیم بے قصور تھی گلاس وسیم نے توڑا تھا مگر اس کی زبان تمہارے سامنے نہ اٹھی۔ باورچی خانہ میں جاکر رونے لگی۔ میں نے آواز دی تو اوڑھنی سے آنسو پونچھ میری پیٹھ کے پیچھے آبیٹھی۔ ساری ساری رات بچوں کو لیے ایک ٹانگ سے کھڑی ہے۔ اس نے گھر کی خدمت ماماؤں سے زیادہ کی ہے اس کا حق کاٹ کر مجھے تکلیف نہ دو"

مامتا تسنیم اور وسیم دونوں کی تھی۔ بیوی کا یہ بیان اتنا درد انگیز تھا کہ اس کی بھی

روتے روتے ہچکی بندھ گئی اُٹھتے پاؤں گیا اور مالا لے کر آیا تو نسیمہ نے کہا۔

"تم چونکہ زبان سے کہہ چکے تھے اور سب کو یہ خبر ہوگئی تھی کہ مالا جہیز میں ہے اس لئے اب نہ دینا مناسب نہ تھا۔ صرف اس لئے میں نے تم سے کہا لیکن تمھاری رائے نہ ہو تو نہ دو۔"

قسیم "میں خود نادم ہوں کہ جس بات کو زبان سے نکال چکا تھا۔ اس کے پورا کرنے کا خیال میرے دل سے کیوں نکل گیا۔ اب تم بسم اللہ کرو۔"

وداع کے دوسرے روز تسنیم اپنے شوہر کے ساتھ حیدرآباد روانہ ہوئی۔ اس کے دل پر جو کچھ گزری وہ تو وہی اچھی طرح جانتی ہوگی مگر پانچویں روز کی ڈاک میں اس کا خط نہ آیا تو ماں نے جو خط لکھا وہ یہ تھا۔

تسنیم پیاری کو گھر بھر کی دعائیں۔ تمھارا خیریت سے پہنچنے کا تار تو آگیا تھا۔ مگر آج تک خط نہ آنے سے طرح طرح کے وہم دل میں آرہے ہیں۔ تسنیم پیاری جس ماں سے تم جیسی بیٹی جدا ہوئی اُس کی کیفیت کا خود ہی اندازہ کرو۔ یہ دل جواب صرف اس لائق رہ گیا ہے کہ تمھاری یاد میں تڑپے اور تمھارے خیال میں بہلے۔ خیریت کے دو حرف لکھ کر اس کی پیاس بجھاؤ۔ میں جانتی ہوں کہ تم خود پریشان ہوگی۔ نیا فراق ہے اور تازہ جدائی۔ ماں باپ اور بہن بھائی سب آنکھ کے سامنے ہونگے۔ مگر بیٹی زندگی کا انقلاب اس خواب کی تعبیر ہے۔ جو عورت کی روح نے عالم بالا پر دیکھا اور جس پر حیاتِ نسوانی کا دارومدار ہے میرا دل دیکھو۔ تم جیسی بچی جس کو راتوں سینوں پر لٹایا اور چھاتی پر کھلایا اُس کو اپنے ہاتھوں ہزاروں کوس دور بھیج خالی ہاتھ ملتی بیٹھی کیا کروں دنیا کا یہی دستور رہا۔ پھوپی جان جیسی ماں جنھوں نے اپنی زندگی مجھ پر مٹا دی۔ آج ایک شہر میں بیمار پڑی ہیں اور گھر کے دھندوں۔ دنیا کے بکھیڑوں سے اتنی فرصت نہیں کہ گھڑی بھر کو ہو آؤں۔ مجھ جیسی ہزار مائیں ایسی پھوپی پر قربان ہوں جو بیماری میں بھی میرا کلمہ پڑھ رہی ہیں میں اُن کے مقابلہ میں تمھاری آدھی خدمت اور چوتھائی محبت بھی نہ کرسکی۔ دم بھر نہ دیکھتی تھیں

تو بیچین ہو جاتی تھیں لیکن جدائی اِل اور فراق اَن مٹ تھا جن ہاتھوں نے لوریاں دے دے کر چمپایا تھا اُن ہی ہاتھوں سے پالکی میں سوار کر دیا۔ نکاح عورت کی شرافت کو پرکھنے کی کسوٹی ہے۔ بڑوں کی لاج اور باپ دادا کی عزت اِس وقت عورت کے ہاتھ ہے۔ مرد کو تکلیف کا سامنا عمر بھر رہتا ہے لیکن عورت کی آزمایش کا وقت یہی ہے اِس کٹھن راستے کی ابتدائی منزلیں کڑی ہیں۔ ہمت سے طے کر لو تو لالوں کی لال رہوگی۔ تم بہ ظاہر تنہا ہو مگر نہیں سادات کا خون تمھارے ساتھ ہے۔ میر تقی جیسے دادا اور میر زاہد جیسے نانا کی شان تمھارے ہاتھ ہے۔ مفلسی میں صبر۔ رنج میں شکر۔ سختی پر خوش۔ زیادتی پر خاموش۔ ہر حال میں راضی۔ ہر حالت میں رضا۔ عورتوں کا شیوہ ہے۔ مصیبت سے گھبرانا۔ آفت سے اکتانا۔ لاپروائی سے ہراس۔ بے اعتنائی سے بدحواس جوہر شرافت نہیں تسلیم پیاری کو ارپتہ ایک نعمت تھی وہ بے فکری کے دن اور اطمینان کی راتیں ماں کی دہلیز اور باپ کے گھر پہ ختم ہو گئے۔ اصلی گھر وہی تھا۔ جہاں پہنچ گئیں۔ یہ کونج تھا وہ مقام یہ پردیس تھا وہ دیس۔ یہ سفر تھا وہ گھر یہاں کی محبتیں جھوٹی تھیں۔ یہاں کے تعلقات عارضی۔ یہاں کی باتیں یہاں تھیں اور وہاں کے معاملے وہاں۔ اب جو بوؤگی وہ کاٹو گی۔ جو کروگی وہ پاؤگی میں ماں تھی ناز برداری میرا کام اور خوشامد میرا جوشِ محبت تھا۔ مگر ساس غیر ہیں نکتہ چینی اُن کی طبیعت اور اعتراض اُن کی طینت ہوگی میں ہنساتی تھی اور رو تی تھی وہ رولائیں گی اور نہ ہنسیں گی۔ نئے دلوں میں گھر کرنا آسان نہ ہو مگر مشکل بھی نہیں۔ اطاعت کے میٹھے پھل اور خدمت کے شیریں ثمر تمھارے سامنے موجود ہیں۔ بہن بھائیوں کا خیال اور ماں باپ کی محبت ختم کرو۔ یہ رشتے وہاں کام آنے والے نہیں۔ ہاں زندہ عزیزوں اور بزرگ روحوں کی آنکھیں تمھاری اِس نئی زندگی پر لگی ہوئی ہیں۔ تسلیم پیاری بہت نازک وقت ہے۔ ایسا نہ ہو بزرگوں کی نظریں ناشاد واپس ہوں اور ہماری اُمیدیں نامراد ہیں۔

(۱۳)

تسنیم کی شادی کو سترھواں دن تھا کہ وسیم کے امتحان کی کامیابی کا تار آیا۔ اس کی شادی کا التوا صرف نتیجہ کا انتظار تھا۔ قسیم کی چھٹی میں دس بارہ روز باقی تھے۔ بیٹی والوں نے تقاضہ کیا تو نسیمہ بھی رضامند ہوگئی اور شادی کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ نکاح سے دو روز قبل صبح کے وقت ایک روز نسیمہ نے سمدھن سے اپنے آنے کی اجازت مانگی۔ وہ بیچارے اگلے زمانہ کے لوگ۔ اِن باتوں کو کیا سمجھتے۔ لڑکی کی ماں پریشان ہوگئیں بے وقت سمدھن کا آنا کیسا۔ طرح طرح کے وہم آنے لگے۔ کہلا تو بھیجا کہ "ادا پوچھوا نے کی کیا ضرورت تھی۔ تمھارا گھر ہے شوق سے آجائیں" مگر دل کا اللہ ہی حافظ تھا کبھی یہ خیال ہوتا تھا کہ کسی نے لگائی بجھائی کی۔ کبھی یہ سوچتی تھیں کہ بات الگ ہوگئی کیسی پہ غصہ کسی پہ جھڑکی۔ اِس پر بھی صبر نہ آیا۔ تو دلہن ہی کے سر ہوگئیں۔ کہ تجھ جیسی منحوس بیٹی خدا دشمن کو کو نہ دے۔ اوّل تو کوئی بات ہی ڈھنگ کی نہ جڑی۔ اور جو بلّی کے بھاگوں ایک آدھ جگہ چھینکا ٹوٹا تو وہاں یہ پتھر پڑے خبر نہیں کہ کون سا بھاگوان وقت ہوگا جو اس گھر سے غارت ہوگی میری ہی تقدیر میں دو دو پتھر بھی تھے کہ کسی طرح سرکائے نہیں سرکتے۔ دن کی بھوک رات کی نیند سب اُڑ گئی مگر یہ کمبختیں کسی طرح نہیں اُٹھتیں میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ یہ بیل منڈھے چڑھنے والی نہیں کجا وہ لوگ پوتڑوں کے رئیس۔ اصل نسل سیّد۔ گھر کے مالدار۔ کوئی ڈپٹی۔ کوئی تحصیلدار کہاں ہم بدنصیب۔ دن بھر کبوتر۔ رات بھر تاش اور شطرنج۔"

بیچاری بگڑ رہی تھیں کہ نسیمہ بیگم کی سواری پہنچی دیکھتے ہی رنگ فق ہوگیا۔ گلے تو مل لیں مگر بیٹھی ہوئی منہ تک رہی ہیں کہ دیکھیے بیٹی کی تقدیر کا کیا فیصلہ ہوتا ہے کچھ دیر تک نسیمہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی مگر سمدھن کیا خاک جواب دیتیں۔ بیٹھی ہیں چوہے دوڑ رہے تھے۔ جوں جوں دیر لگتی تھی ان غریب کا خون خشک ہو رہا تھا۔ آخر تاب ضبط نہ رہی تو کہہ ہی دیا۔ کہ "آپ نے بے وقت کیوں تکلیف فرمائی خیر تو ہے؟"

نسیمہ "جی ہاں اللہ کا شکر ہے کچھ باتیں ایسی تھیں کہ جن کے طے کرنے کے واسطے میرا آپ کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری تھا۔ زمانہ کی رسم کے بموجب شاید آپ صاحبزادی صاحبہ کا آنا میرے سامنے پسند نہ کریں گی۔ گو میری ہزار دفعہ کی دیکھی اور میری آنکھوں کے سامنے چھوٹی سے بڑی ہوئی ہے۔ ابھی تین مہینے بھی نہیں ہوئے کہ پھوپی جان کے ہاں ملی تھی۔ مگر اتنی عنایت ضرور کیجئے کہ اُن کو بھی گفتگو سننے کا موقع دیدیجئے تاکہ اُن کی رائے بھی شامل ہو جائے۔"

اب تو دلہن کی ماں کی باچھیں کھل گئیں۔ کمرہ کی پشت پر کوٹھری تھی دلہن اس میں بیٹھی تھی۔ کہنے لگیں "آپ شوق سے فرمائیے وہ یہاں موجود ہے۔" یہ سُنکر نسیمہ نے کہا "بہن اگر کوئی بات مرضی کے خلاف ہو تو اس وقت کہہ دینا تاکہ دل صاف ہو جائے۔ ہمارے ہاں سب سے بڑی غلطی یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی بات ناگوار بھی گزرے تو اس کو پی کر دل میں کُل لے بیٹھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ میل بڑھتے بڑھتے بیل ہو جاتا ہے میں خدا کا شکر ہے۔ تین لڑکیوں کی ماں ہوں اور آج بائیس دن ہوئے کہ ایک بیٹی کو بیاہ چکی ہوں۔ اس لیئے مجھے یہ بہو بیٹی سے کم عزیز نہ ہو گی اور مجھے تعجب ہوتا ہے ان ساسوں پر جو بیٹیوں کی ماں ہونے پر بھی بہوؤں کو بیٹیاں نہیں سمجھتیں۔ آپ کو معلوم ہے میں نے تسنیمہ کے ہاں تمام فضول رسمیں اڑادی تھیں۔ چالے جن کو میں اس لحاظ سے بُرا نہیں سمجھتی کہ لڑکی کا دل دونوں جگہ آمد و رفت میں زیادہ نہ گھبرائے اور وہ سُسرال سے اچھی طرح مانوس ہو جائے مگر اس لیئے کہ اس میں بھی فضول روپیہ صرف ہوتا ہے میں نے پسند نہ کیئے اور چونکہ دولہا کی چھٹی ختم ہو رہی تھی۔ نکاح کے تیسرے ہی روز حیدرآباد روانہ ہو گئی۔ تاہم وہ لوگ بہت سی اگلی باتوں کے پابند تھے اور میں نے اُن کی دل شکنی مناسب نہ سمجھی لیکن آپ سے اتنا ضرور کہوں گی اگر آپ پسند کریں تو روپیہ کو ضائع نہ کریں میں زیور کو بھی اگر آپ ناخوش نہ ہوں تو زیادہ پسند نہیں کرتی سونا آج

ہم پچیس روپے تولہ لیتے ہیں لیکن جب بازار میں بیچتے ہیں توٹانکے کی وجہ سے تئیس اور بائیس کے دام ملتے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ آپ کو جو کچھ لڑکی کو دینا ہو اور جو کچھ میں پیش کروں اس سب کی کوئی جائداد لڑکی کے نام کی ہوجائے تاکہ وقت بے وقت کے واسطے ایک سہارا ہو آپ فرمایئے تو میں پانسو آدمیوں کی برات اور ہزار سے زیادہ سمدھنیں لے آؤں۔ مگر کیا فائدہ سیدھے سادھے طریقے پر مسنون نکاح ہوجائے"

سمدھن" بوا مجھے تمھاری رائے سے تو اتفاق ہے مگر آج کل لڑکیاں زیور کو زیادہ پسند کرتی ہیں اور وہ نگوڑی دلہن ہی کیا جس کی انگلی میں انگوٹھی بھی نہ ہو"

نسیمہ" یہ معمولی زیور جو آپ مناسب سمجھیں دیدیجیے میں اس کو منع نہیں کرتی"

سمدھن" اچھا تو میں اس کا جواب سوچ کر دوں گی"

نسیمہ دوپہر تک ٹھیری اور اس کے بعد اپنے گھر آگئی۔ ساس کی گفتگو کا اثر بہو پر بھی ہوا اور گو ماں مشکل سے متفق ہوئی تھی مگر بیٹی نے رضامند کرلیا اور میاں وسیم کی شادی میں جو کچھ فریقین کا صرف ہوتا اس کی جائداد لڑکی کے نام کی خرید لی گئی۔

(۳۴)

شادی کے بعد اب قسیمہ کو بیٹے کی ملازمت کا فکر ہوا۔ حکّام سے تعلقات دیرینہ اور اچھے تھے۔ باپ دادا کی خدمات بھی کم نہ تھیں۔ اپنا ذاتی اثر بھی معقول تھا تحصیلداری ملنا کچھ ایسی بات نہ تھی۔ مگر اتفاق کی بات کہ دو سال نامزد ہوا اور دونوں دفعہ ناکام رہا قسیمہ نے اس ناکامی کو معمولی بات سمجھا مگر وسیم کا دل کھٹا ہوگیا اور وہ بیرسٹری کے واسطے تیار ہوا۔ بیوی کی زنجیر پاؤں میں ضرور تھی۔ مگر دونوں سمجھدار تھے۔ شادی اس ارادے میں حارج نہ ہوئی۔ بیوی بھی سمجھ گئی کہ تین چار برس آنکھ بند کرکے گزر جائیں گے مگر نوکری کی غلامی سے تو عمر بھر کو اطمینان ہوگا۔

نسیمہ کی ضعیفی کا عالم تھا اور اس کا دل خوشی سے گوارا نہ کرتا تھا۔ کہ اس وقت میں

بیٹے کو اتنے عرصہ کے لئے جُدا کرے۔ مگر شوہر کا اصرار، بیٹے کی التجا، بہو کی رضامندی، ہاں کرتے ہی بنی اور سفر کی تیاریاں شروع ہوگئیں روانگی کا دن آیا تو قسیمہ بھی یہاں موجود تھا۔ مغرب کے وقت وسیم تیار ہو کر آیا۔ ماں نے نماز مغرب کا سلام پھیرا ادھر اس نے ماں کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ بیٹے کا سر کلیجے سے لگایا۔ ماتھے پر پیار کیا۔ دعا دی اٹھی اور دروازے تک پہنچانے آئی۔ چپکے چپکے دعا پڑھی۔ وسیم سلام کو جھکا تو دَم کیا۔ دل امڈا چلا آرہا تھا۔ مگر ضبط سے کام لے رہی تھی۔ وسیم کی آنکھ میں اس وقت آنسو دیکھ کر اور بھی بیتاب ہو گئی رُک رُک کر اتنا کہا۔

"خدا حافظ۔ اللہ عمر میں برکت دے۔ کامیاب کرے۔ اسلام پر ثابت قدم رکھے"!

وسیم ماں کی گود میں سر رکھے کھڑا تھا۔ ہاتھ اس کی گردن میں تھا اور آنسو گر رہے تھے لیکن نسیمہ گو عورت تھی مگر جانتی تھی کہ میری حالت اس کے سامنے خراب ہوئی تو رستے بھر پریشان رہے گا۔ طبیعت زیادہ بگڑنے لگی تو کمر پر ہاتھ رکھ کر زور سے بھینچا اور آواز کو روکے اندر کے کمرہ میں آ، روتی ہوئی پلنگ پر گر پڑی۔

وسیم کا خط ہر ڈاک میں بلا ناغہ آتا رہا۔ مگر نسیمہ اور وسیم دو بچوں کی جدائی نے گو وہ عارضی تھی۔ نسیمہ کی کمر ہمت توڑ دی۔ بیوی کی یہ کیفیت دیکھ کر قسیمہ نے دو سال کی رخصت لی۔ جہاں تک ممکن ہوتا بیوی کا دل بہلاتا۔ اس کو سمجھاتا اور غم غلط کرتا۔ وسیم تین امتحانوں میں کامیاب ہو چکا تھا۔ صرف ایک آخری امتحان باقی تھا۔ ماں کو ایک ایک دن ایک ایک سال ہو گیا۔ وہ درحقیقت اپنی ہی زندگی سے مایوس ہو چکی تھی۔ کوئی خاص مرض تو نہ تھا مگر کمر میں ہر وقت درد رہتا۔ نزلے کی ہمیشہ شکایت رہتی چلتی تو سانس پھولتا۔ اٹھتی تو چکر آتے۔

خدا خدا کر کے جدائی کا زمانہ ختم ہوا۔ وسیم آخری امتحان میں کامیاب ہوا تو نسیمہ سجدہ شکر بجا لائی۔ آدھی رات کے قریب تار آیا تھا۔ اٹھی وضو کیا۔ دو رکعت نماز ادا کی اور دیر تک بیٹھی روتی رہی رو چکی تو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا۔

"مولا تیری کس کس نعمت کا شکریہ ادا کروں۔ مجھ جیسی ناکارہ انسان پر ایسے اکرام

اور رحم و کرم تیری ذات تجھ ہی کو سزاوار ہے۔ وسیم میری زندگی میں کامیاب ہوا۔ تیرا فضل شامل حال ہے تو میرا لال قریب ہے کہ میرا کلیجہ ٹھنڈا کرے۔ اب آرزو ہے کہ ان بچّوں کو زندہ چھوڑ کر تیری خدمت میں حاضر ہوں"۔

وسیم واپس آیا تو گاڑی کے آنے کا وقت سوا نو تھا مگر مامتا کی ماری ماں نو بجے ہی سے دروازے میں آ کھڑی ہوئی تھی۔ وسیم ماں کے خیالات اور اس کی عادت سے اچھی طرح واقف تھا۔ رستے ہی میں کپڑے بدل سیدھا سیدھا مسلمان بنا دروازے میں داخل ہوا۔

کہ اتنے میں آگے نظر جو پڑی
تو دیکھا کہ رستے میں ہے ماں کھڑی

نسیمہ کا دل پہلے ہی بھرا آرہا تھا۔ بچّہ کی صورت دیکھتے آنکھیں جو چار برس سے اس کی صورت کو ترس رہی تھیں بلبلا اُٹھیں وسیم سے بھی ضبط نہ ہو سکا۔

وہ رو رو کے دو ابر غم یوں ملے
کہ جس طرح ساون کی بھادوں ملے

رونا دھونا ختم ہوا تو سب نے مل کر کھانا کھایا۔ ماں کی داستانِ مصیبت باپ کی زبانی سنکر وسیم بہت رویا اور آدھی رات حرف حکایات میں بسر ہوگئی۔ دو بجے کے قریب سب پڑ کر سوئے مگر چار بھی نہ بجے ہوں گے کہ وسیم گھبرا کر اُٹھا۔ قے کی۔ دست آیا۔ ماں اور باپ دونوں گھبرا گئے۔ ڈاکٹروں کو بلایا حکیم آئے۔ دوا درمن نسخہ ٹھنڈائی اپنی کرنی میں کسر نہ رکھی مگر نسیمہ کی جان وسیم صرف ایک دن کا مہمان تھا۔ شام سے پہلے ختم ہو گیا۔

(۳۳)

جس ماں کی آنکھوں کے سامنے سے وسیم جیسا کڑیل جوان اُٹھ جائے اسی کے دل سے پوچھنا چاہیئے کہ کیا گزر گئی۔ سچ یہ ہے کہ وسیم خود مر کر زندگی کے تمام جھگڑوں سے

چھوٹ گیا۔ مگر ماں کو زندہ درگور کر گیا۔ رات رات بھر چپکی بیٹھی رہتی۔ پلک سے پلک جھپکانی حرام تھی اور سارے سارے دن گم سم بنی رہتی۔ کھیل کا دانہ اڑ کر منہ میں نہ جاتا۔ ایک لمحہ کو بھی لال کا خیال اس کے دل سے دور نہ ہوتا۔ ہر وقت اس کی تصویر آنکھوں کے سامنے تھی روتے روتے دونوں آنکھوں میں ناسور پڑ گئے۔ مگر مامتا کا وہ دریا جو آنسو بنکر بہتا تھا کسی طرح ختم نہ ہوا دنیا آنکھوں میں اندھیر تھی۔ قبرستان جاتی۔ قبر پر بیٹھی روتی اور کہتی "بڑھیا ماں زندہ رہی اور کلیجہ کا ٹکڑا ہزاروں من مٹی کے نیچے جا سویا۔" دیوانوں کی طرح ایک ایک کے منہ کو تکتی اور بچوں کی طرح بلک بلک کر روتی۔ کس کا کھانا پینا اور کہاں کا اوڑھنا پہننا، وہ تھی اور وسیم کی یاد۔ کیسا ہنسنا بولنا اور کدھر کا ملنا جلنا، وہ تھی اور اس کا دل ناشاد۔ زندگی وبال اور گھر جنجال ہو گیا۔ عالم خیال میں کبھی دل خود بخود تسکین دیتا کہ نہیں وسیم زندہ ہے، بازار گیا ہے۔ اب آتا ہو گا کلیجہ سے لگاؤں گی۔ لپٹوں گی لپٹاؤں گی۔ بیقرار ہو کر دروازے تک جاتی اور پھر بے اختیار ہو کر آپ ہی آپ چیختی "آہ وسیم کہاں!"

نظام عالم کا ہر متحرک ذرّہ تغیر کر رہا تھا۔ موسم بدلے فصلیں ختم ہوئیں۔ راتیں آئیں اور گئیں۔ دن نکلے اور ڈوبے۔ کلیاں چٹک چٹک کر کھلیں اور پھول کھل کھل کر مرجھائے۔ دنیا کچھ سے کچھ ہو گئی۔ زمانہ کہیں سے کہیں پہنچا۔ مگر نہ تغیر ہوا تو نسیمہ کی حالت میں۔ جاگتی ہے تو اس کی یاد اور سوتی ہے تو اس کی تصویر۔

چمن پر نہ مائل نہ گل پر نظر
وہی سامنے صورت آٹھوں پہر

دن بھر کی روئی دھوئی رات کو بھوکی پیاسی اس کی تصویر کلیجے سے لگا کر اس امید پر پڑ رہتی کہ زندہ صورت نظر نہ آئی تو خواب میں دیکھ لوں گی۔ ایک دفعہ اسی اضطراب میں آنکھ لگ گئی تو کیا دیکھتی ہے کہ میرزا ھد کھڑے ہیں اور نسیمہ باپ سے گڑگڑا رہی ہے "مجھے ایک دفعہ وسیم کی صورت دکھا دو۔" میرزا ھد نے بیٹی کو تسلی دی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک

ایسے مقام پر لے گئے جہاں نور کے فرشتے چاروں طرف پھر رہے تھے اور لاتعداد روحیں اپنے اعمال و افعال کی جزا و سزا میں مصروف تھیں۔ دفعتہً اِن نورانی فرشتوں نے اس حکم کے ذریعے سے جو قادر ذوالجلال کا تھا نزولِ رحمت شروع کیا اور ہر روح کے پاس سدا بہار پھولوں کے گلدستے جن کی مہک تمام میدان کو معطّر کر رہی تھی پہنچائے۔ نسیمہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے بچّہ کو دیکھ رہی تھی مگر کہیں نظر نہ آتا تھا بمشکل تمام ایک طرف نظر پڑی تو دیکھا کہ کڑکڑاتے جاڑوں میں وسیم مہین ململ کا کرتہ پہنے تھر تھر کانپ رہا ہے۔ بدن لہولہان ہے۔ ہاتھ پاؤں پھٹ رہے ہیں اور خون بہ رہا ہے۔ عذاب کے فرشتے ٹھنڈے پانی میں وسیم کو غوطہ دے رہے ہیں اور اس کی گریہ وزاری پر مطلق رحم نہیں کرتے نسیمہ بیتابانہ آگے بڑھی کہ فرشتوں کو روکے مگر باپ نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا "ایک قدم آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ہے" وہیں کھڑی چیختی اور پیٹتی رہی۔ مگر جو کیا وہ بے سود اور جو کہا وہ بیکار جب نورانی فرشتے نزولِ رحمت کر چکے تو آواز بلند کہا "یہ تمہارا وہ حصّہ تھا جو دنیا والوں نے تم کو بھیجا" یکایک خاص روشنی نمودار ہوئی تمام فرشتے سجدے میں گر پڑے اور اُن کے سردار نے یہ صدا دی "آج محبوبِ ذوالجلال کی پیدائش کا دن ہے تمہارے عذاب کم کئے جاتے ہیں۔ تمہاری التجائیں قبول ہوں گی اور تمہاری درخواستیں منظور جس کو جو کچھ کہنا ہے کہے" ہر روح نے اپنے اپنے پیغام پہنچائے جب وسیم کا وقت آیا تو اس نے کہا "مقدس نورانی فرشتو! میری ماں میری یاد میں تڑپ رہی ہو گی۔ اس کی زندگی میرے دم سے تھی میں اس کی خدمت کا ارمان اپنے دل میں لایا۔ اس کی حسرتِ دیدار میرے ساتھ ہے اور خواہش ملاقات میرے پاس۔ اگر رحم کرو تو ایک دفعہ چند لمحے کے واسطے اس کی صورت دکھا دو" فرشتے نے اس کی خواہش کو پورا کرنے سے انکار کیا۔ اور کہا "دُنیا والے اپنے عزیزوں کو انواع و اقسام کے تحفے بھیج رہے ہیں۔ جو تیرے سامنے ان روحوں کو پہنچائے جاتے ہیں مگر تیرے کسی عزیز نے آج تک تجھے کچھ نہیں بھیجا شاید تو بھی اِن ہی لوگوں

میں سے ہے۔ جن کے پھولوں اور چالیسویں پر منوں بریانی متنجن ہٹے کٹے اڑاتے ہیں۔ تیری ماں یہاں موجود ہے ہم تجھ کو اس کی صورت دکھاتے ہیں۔ مگر اس کے صلہ میں تجھ کو ایک ہزار برس سخت عذاب بھگتنا پڑے گا۔" وسیم فرشتے کی یہ صدا سنکر کچھ دیر خاموش رہا اور پھر کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "مجھے منظور ہے میری ماں کی صورت دکھا دو۔" فرشتہ وسیم کو ادھر لے کر آیا، تو نسیمہ نے بیٹے کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ ماں کی یہ حالت دیکھ کر وسیم کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور اس نے فرشتے سے کہا "بس چلو اور اپنا عذاب شروع کر دو۔" اتنا سنتے ہی نسیمہ کی آنکھ کھل گئی تو موذن اذان دے رہا تھا خواب کیا ایک برما تھا جس نے تمام کلیجہ چھلنی کر ڈالا جس کی صورت کے دیدار کو مہینوں سے تڑپ رہی تھی اس کا اس حال میں نظر آنا۔ بیٹے کی محبت کا یہ درجہ اور ماں کی سنگدلی کی یہ حد کہ الامان والحفیظ۔

سنبھلتی تھی مگر کسی پہلو چین نہ ملتا تھا۔ دل کو سنبھالتی تھی مگر ظالم کسی کروٹ آرام نہ دیتا تھا۔ وسیم کی مصیبت اور خواب کی حالت کچھ ایسی ذہن نشین ہوئی کہ ہشیار ہو کر بھی اس کے پاس دوڑی، ہاتھ پھیلائے مگر کچھ نہ تھا۔ رکی سنبھلی۔ مگر لڑکھڑائی اور گر پڑی۔ اب صبح صادق کا سہانا وقت تھا۔ پرند اپنے معبود کی تسبیح میں مصروف تھے۔ تارے جھلملا چکے تھے۔ چاند مدہم پڑ چکا تھا۔ پو پھٹ رہی تھی اور نسیمہ اس خیال میں آسمان پر ٹکٹکی باندھے لیٹی تھی کہ شاید اس زبردست انقلاب میں وسیم کی صورت پھر نظر آ جائے۔ قسیم بیوی کی حالت دیر سے بیٹھا دیکھ رہا تھا اور اس کی کیفیت اتنی بدتر نہ تھی۔ مگر وسیم کی موت نے کمر اس کی بھی توڑ دی تھی۔ اٹھا بیوی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور کہا۔ "اٹھو نماز قضا ہو رہی ہے پانی گرم ہو گیا۔" نسیمہ کی حالت بالکل ایسی تھی جیسے کوئی ظالم کسی بچے کے ہاتھ سے کھلونا چھین لے۔ نماز کا نام سنکر اٹھی۔ مگر قسیم کی صورت دیکھتے ہی خواب کا تمام ماجرا آنکھ کے سامنے آ گیا۔ ایک چیخ ماری اور یہ کہہ کر گر پڑی۔

"وسیم کو ٹھنڈے پانی کا عذاب اور میں گرم پانی سے وضو کروں۔"

قسیم پانی لایا وضو کرایا۔ اسی حالت میں روتی ہوئی نماز پڑھتی رہی پڑھ چکی تو کہا "ذرا ڈولی منگا دو۔ پھوپی جان کے ہاں جاؤں گی۔ تمھارا جی چاہے تم بھی چلے چلو گے"
قسیم "ابھی منگواتا ہوں اور میں بھی چلتا ہوں"

(۳۴)

سنجیدہ کی عمر اس وقت سو سے زیادہ تھی اور گو ہاتھ پاؤں جواب دے چکے تھے مگر زبان اور دماغ بدستور کام کر رہے تھے۔ وسیم کی خبر موت سنجیدہ تک کیا صبح ہونے سے پہلے تمام شہر میں مشہور ہو چکی تھی سنجیدہ نے جس وقت یہ سنا تو کامل دو گھنٹے بیہوش رہی۔ مگر بھتیجی کے پاس جانے کے قابل نہ تھی کئی دفعہ کہلا بھیجا مگر بدنصیب کو اپنا ہی ہوش نہ تھا۔ پھوپی کے حکم کی تعمیل تو کیا خاک کرتی لیکن سنجیدہ وہ پھوپی تھی جس نے نسیمہ کو ماں کی شفقت بھری گود قطعی بھلا دی، حق یہ ہے اس کو بھتیجی سے محبت نہیں عشق تھا۔ اس کی انگلی میں پھانس چبھتی تو بیچین ہو جاتی۔ یہ تو وہ مصیبت تھی جس نے تکلیفوں کا خاتمہ اور مصائب کا تکملہ کر دیا۔ سنجیدہ کی حالت جو کچھ بھی نہ ہوتی وہ تھوڑی تھی مچھلی کی طرح پلنگ پر پڑی تڑپتی اور مرغ گرفتار کی طرح قفس میں پھڑپھڑا پھڑپھڑا کر چپ ہو جاتی کئی دفعہ ارادہ کیا کہ کسی طرح گھسٹ گھسٹا ڈولی میں بیٹھ جاؤں مگر دونوں ٹانگیں ایسی رہی تھیں کہ جنبش قسم تھی ہر وقت اسی ادھیڑ بن میں اور رات دن اسی خیال میں مستغرق تھی کہ سامنے سے نسیمہ آتی ہوئی دکھائی دی۔ بدنصیب بھتیجی کا دکھائی دینا تھا کہ سنجیدہ کا دل بھر آیا۔ ادھر نسیمہ پھوپی کی صورت دیکھتے ہی تڑپ اٹھی۔ دوڑ کر گلے لپٹی سنجیدہ کے دونوں ہاتھ نسیمہ کے گلے میں تھے اور اس کا سر پھوپی کے سینہ پر ایک دو دفعہ نہیں۔ بارہا نسیمہ نے بچپن میں اسی طرح پھوپی کے گلے لگ کر اس کا کلیجہ ٹھنڈا کیا ہوگا۔ مگر کسے معلوم تھا کہ تقدیر سنجیدہ کو یہ وقت بھی دکھائے گی کہ اسے بھتیجی کو اس طرح گلے لگانا پڑے گا کہ وسیم جیسا جوان بیٹا

ہمیشہ کو چھوٹ کر اس کو مردہ بنائے گا۔ آنکھیں اس کے فراق میں جھڑیاں بہائیں گی اور سنجیدہ
اِن آنسوؤں کو پونچھے گی۔ دیر تک دونوں کی دونوں لپٹی روتی رہیں۔ آخر سنجیدہ نے
نسیمہ کا سر اُٹھایا تو اُس نے خواب سُنایا سنجیدہ سُن چکی تو کہا۔

"مجھ سے زیادہ بدنصیب عورت کون ہوگی کہ یہ صدمے سہنے کو ابتک زندہ رہی
کیا خبر تھی کہ مجھے یہ داغ بھی کلیجے پر ہی جانا ہے۔ تم جو کچھ بھی کرو کم اور تھوڑا ہے۔ تم پر جو کچھ
گذری وہ اولاد والی مائیں اچھی طرح جانتی ہیں میں تم کو رنج سے منع نہیں کرتی۔ یہ رنج
تو آپڑا اور ایسا آیا کہ جان لیکر جائیگا۔ روؤ گی۔ اور جب تک زندہ ہو اس وقت تک روؤ گی مگر
وسیمہ کی موت معمولی بات نہیں۔ ایک زبردست ہاتھ اس کی تہ میں ہے۔ کس کا
ہیضہ۔ کہاں کی ہچکی۔ کہاں کا شہد اور کدھر کا شربت۔ سب قدرت کے کھیل ہیں۔ ہوا
ہو رہا ہے اور رہوگا۔ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ مصیبت میں صبر۔ رنج میں تحمل تکلیف
میں شکر ہمارا کام۔ رضا پر راضی حکم پر حاضر۔ فرض میں تعجیل ارشاد کی تعمیل ہمارا شیوہ۔
بات وہ کہ شانِ عبودیت ہاتھ سے نہ جائے اور کام وہ کہ انسانیت کے ظرف پر حرف
نہ آئے۔ روؤ مگر آنسوؤں سے۔ رنج کرو مگر دل میں تیوری پر بل نہ ہو۔ رونے میں بین نہ ہو۔
عبادت میں کمی نہیں ریاضت میں فرق نہیں۔ جو پڑ گئی وہ جھیل لی جو ہو گیا وہ ہو گیا۔ یہ
ہے جوہر انسانیت۔ اِن کانٹوں کی تہ میں پھول اور ان داغوں کی آڑ میں باغ ہیں۔
اُجاڑنا تمھارا کام اور توڑنا تمھارے ہاتھ زندگی فانی دنیا ناپائدار۔ یہ جُدائی عارضی ہے
عالمِ بالا کے دروازے کھلے ہوئے ہیں وسیمہ کی روح وہاں موجود تم سے ملنے کو
بیقرار تمھارے دیکھنے کا انتظار ملنے کی تدبیر ہو اصلت کی تجویز اب تمھارا کام ہے۔
اجل سر پر سوار ہے۔ موت کے لیے تیار رہو۔ اطمینان سے سوؤ اور آرام سے اُٹھو۔

عبادت سے اِس کشت کو آب دو … کہ واں جا کے خرمن بھی تیار لو

امام غزالیؒ نے موت پر ایک بحث لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد

ان کی بیوی فاطمہ نے دُنیا ترک کی اور شوہر کی قبر پر جا بیٹھیں۔ سال بھر وہاں رہیں مگر کب تک دنیا کے تعلقات پیچھا چھوڑتے جب چلنے لگیں تو ایک آواز سُنی۔

"فاطمہ شوہر مل گیا؟"

بیٹی تم اپنے ہاتھوں اُمید کا ایک حصّہ بگاڑ چکیں۔ محبّت اسی کا نام ہے۔ مامتا اسی کو کہتے ہیں کہ مغفور بچے اور مرحوم لال کو تمہاری وجہ سے یہ عذاب پہنچے۔ وہ آج تمہاری عنایت کا محتاج اور تمہارے کرم کا دست نگر ہے میں کسی لائق نہیں ہوں مگر دیتی ہوں جو دے سکتی ہوں اور پہنچا رہی ہوں جو ممکن ہے۔ یہ تمہاری آزمایش کا وقت اور سنبھلنے کا موقع ہے۔ بگڑ گئیں۔ تو بچہ کا ملنا کیسا۔ دونوں جہان سے گئی گزری ہوئیں۔

نسیمہ بیگم! وہ کام نہ کرو کہ دنیا کے ساتھ دین بھی برباد ہو۔ خدا کی رضامندی مشکل نہیں بیکس مخلوقِ خدا تمہاری آنکھ کے سامنے ہے۔ ان کا دل ہاتھ میں لو بیڑا پار ہے۔ ان کی خدمت عین مغفرت اور ان سے محبّت خدا کی عنایت کا پہلا سبق ہے۔ نسیمہ ہوشیار ہو جا اور سنبھل جا۔ غریبوں کے پھٹے کپڑے۔ مریضوں کی ناتواں ہڈیاں۔ یتیموں کے گرد آلود چہرے۔ رانڈوں کی بدنصیب صورتیں اور اپاہجوں کے زخم۔ زخموں کی کیڑے تجھکو تیرے لال سے ملا دیں گے۔"

سنجیدہ کی تقریر کرتی ہوئی دیوار کو ایک آڑ واڑ یا پھولوں کے جو گرد ایک باڑ تھی جس نے نسیمہ کے پہاڑ کو سرکا، اس کے خیالات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ غور کرتی تو درحقیقت جو چاند پردۂ دُنیا سے چھپ چکا تھا وہ اب بساطِ آخرت پر نمودار ہونے والا تھا۔ ضرورت یہ تھی کہ ماں اپنے تمام ارمانوں کو اس وقت پر موقوف کرتی اور چلتے وقت ایسے کام ساتھ لے جاتی جو وسیم کو اس سے ملوا دیتے۔ آنکھیں روشن اور کلیجہ ٹھنڈا کرتی۔ یہ گریہ وزاری بےچینی و بیقراری بےسود بےکار تھی۔ وسیم کا جسدِ خاکی مٹی ہو چکا تھا۔ اب اگر کچھ توقع تھی تو روح سے جو ماں کے کاموں کو بےتابی سے دیکھ رہی تھی۔ نسیمہ نے پھوپی سے تو کچھ نہ کہا

مگر اس کے الفاظ سینہ میں چبھے اور دل میں اتر گئے۔ کچھ دیر خاموش رہی۔ اور پھر ڈولی منگوا کر چلی آئی۔ آکر بیٹھی تو ادھر بہو سلام کو آئی۔ اُدھر پوتے آکر چمٹے۔ بہو کو دعا دینی ضرور تھی۔ مگر دعا کے ساتھ ہی خیال آیا کہ میں ماں ہوں میری ماتما ہے۔ کلیجہ کا ٹکڑا تھا دنیا کے سب عیش کر چکی۔ مگر یہ بدنصیب چار پانچ برس کی بیاہی جس نے میاں کی بہار دیکھی نہ بچّوں کا سکھ' کیسی برباد ہوئی۔ اس کو رانڈ بیٹھا کر مٹی پلید کرنا سخت ظلم اور کبیرہ گناہ ہے۔ میں مانتی ہوں یہ باہر کے لوگ ہیں۔ ان کے ہاں بیوہ کا نکاح سخت عیب ہے۔ مگر "فَانکِحُوا الاَیَامٰی مِنکُم" حکم صریح ہے۔ گو میرا دل نہیں مانتا کہ میری زندگی میں وسیم کی دلہن مجھ سے چھوٹے۔ بچے میرا گھر سُونا کر جائیں اور پرائی دہلیز پر جا کر پڑیں مگر یقیناً اس کا عذاب مجھ پر ہوگا۔

"دل میں یہ باتیں کرتے کرتے وہ یکا یک اُٹھی اور سمدھن کو بُلا کر اُن سے کہا:"

"یہ آپ کی صاحبزادی بیٹھی ہیں۔ میری تقدیر میں جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ مگر یہ بچہ ہے اس نے ابھی دنیا کا کیا دیکھا ہے۔ چھ برس میں دو مہینے بھی لگ کر میاں کے ساتھ نہ رہی۔ دنیا اس کیواسطے دوزخ اور زندگی اس کے لیے مصیبت ہوگی میں جانتی ہوں آپ لوگ رسم و رواج کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ مگر میرا دل دیکھیے کہ آپ نے اپنی بچّی کو وسیم کے واسطے دلہن بنایا اور میں اپنے ہاتھ سے اپنی بہو کو غیر کے لیے دلہن بناتی ہوں۔ وسیم میاں مر کر چھوڑ اُن کے بچے مرے بیٹے کی نشانی' سر بدلے کا سر ہیں' اُن کو جب دیکھ لوں گی میری ماتما ٹھنڈی ہو جائے گی۔ رحیم النساء کا لڑکا عارف ساٹھ روپے کا نوکر۔ کھاتا پیتا۔ اصل نسل نکاح کا خواہشمند اور یہاں راضی ہے۔ میں نے اس کو بھی بُلا بھیجا ہے۔ آپ کی موجودگی میں اب ان کو نئے دولہا کے یہاں رخصت کرتی ہوں۔"

سمدھن تو خاموش رہیں مگر بہو کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اتنے میں قسیم نے آکر کہا: "قاضی جی اور میاں عارف دونوں آ گئے۔" بہو کی رضامندی حاصل کر نسیمہ نے اجازت دی۔ نکاح ہو چکا تو نسیمہ نے اپنے ہاتھ سے بہو کو نہلا دھلا دلہن بنایا اور کہا۔

"بیٹی دنیا کا یہی دستور ہے چند روز میں دنیا تم کو یہ صدمہ بھلا دیگی۔ گو میرا دل نہیں مانتا کہ وسیم کے بچے مجھ سے جدا ہوں لیکن میں دکھیاری کس دل سے تمہاری مامتا کو چھپاؤں۔ اللہ تم کو اپنے بچے پالنے نصیب کرے ہاں ان کو دو زرا نہیں میرے پاس بھیج دیا کرنا۔ انکی صورتیں میرے زخم پر مرہم رکھیں گی میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ پرائی اولاد پرائی ہوتی ہے۔ ان کی نازبرداری دوسرا باپ کیوں کرنے لگا۔ یہ پچیس ہزار کی جائداد جو مجھ کو مہر میں ملی ہے ان بچوں کی پرورش کے لئے ان کے نام منتقل کرتی ہوں۔ تم سے بہتر اس کا امین کون ہوگا خدا ان بچوں کی عمر دراز کرے۔ ان سے وسیم کا نام چلے اور یہ پروان چڑھیں اور تمہارا کلیجہ ٹھنڈا رہے۔ گاڑی تیار ہے بسم اللہ کرو۔ بظاہر تمہارا تعلق اس گھر سے قطع ہوگیا۔ مگر جب تک میں زندہ ہوں یہ گھر تمہارا ہے۔ خدا ان بچوں کو زندہ رکھے تمہارے حقوق ختم نہیں ہوئے۔ آجتک تم میری فرمانبردار تھیں لیکن آج سے میں تمہاری خدمت گزار ہوں۔ مجھے بچوں کی صورت کو نہ ترسانا وسیم کے لال تمہارے پاس میری امانت ہیں میرا دل خوش رکھنا بدنصیب ماں ہوں۔ جوان بچہ ہمیشہ کو چھوٹ چکا ہی دکھے ہوئے دل سے دعا دوں گی پھولو گی پھلو گی خوش رہو گی"۔

بہو کی ہچکی بندھی ہوئی تھی نسیمہ نے اٹھ کر گلے لگایا۔ بچوں کو پیار کیا۔ پیشانیوں پر بوسے دیئے۔ دروازے تک ساتھ آئی اور بہو کو بچوں سمیت دوسرے شوہر کے یہاں رخصت کیا۔

(۳۵)

نسیمہ لاکھ سنبھلنے کی کوشش کرتی تھی مگر دل اندر سے بیٹھا جاتا تھا۔ دونوں وقت یتیم خانہ کے بچوں کو کھانا خود پکا کر بھیجتی۔ طالب علموں کے کپڑے اپنے ہاتھ سے سیتی۔ رانڈوں کے مہینے محتاجوں کے روزینے مقرر کر دیئے جب زیادہ گھبراتی، وسیم کی یاد بہت بیتاب کرتی تو یتیم بچوں کو بلا کر ان سے دل بہلاتی۔

عید سے ایک روز قبل کا ذکر ہے کہ پڑوس کا ایک بچہ جس کے تمام عزیز و اقارب مر چکے تھے نو برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر چکا تھا اور جس نے تیسوں روزے رکھے تھے۔

تین چار مہینے سے جوڑ جوڑ کر پونے دو روپے کا کرتہ پاجامہ کا کپڑا لایا اور پیسے نہ تھے کہ درزی سے سلوا سکتا۔ مگر ننھے سے دل میں عید کی خوشیاں لہریں لے رہی تھی۔ درزی سے کہا "میں تم کو ایک پیسہ روز کر کے سلائی دیدونگا" درزی کو بیسیوں کپڑے سینے تھے۔ جھڑک کر کپڑا پھینک دیا۔ معصوم کپڑا لیئے چاروں طرف پھر رہا تھا کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ میری عید منوا دے۔ سوچتے سوچتے نسیمہ کا خیال آیا۔ سیدھا وہاں پہنچا۔ رات کے نو بجے ہوں گے نسیمہ گھر میں نہ تھی تسنیم نے ساری داستان سُنی اور کہدیا "وہ گھر میں نہیں" بن باپ کے بچے۔ بن ماں کے معصوم کی تمام خوشی خاک میں مل گئی مایوس ہو کر چلا گیا۔ اور مسجد میں جا کر پڑ رہا۔ دو بجے کے قریب نسیمہ پھوپی کے ہاں سے لوٹی تو تسنیم نے باتوں باتوں میں یہ واقعہ بھی دُہرا دیا۔ نسیمہ کی آنکھ میں آنسو آ گئے۔ بیٹی سے کچھ نہ کہا۔ صرف اتنا پوچھا "وہ بچہ کہاں رہتا ہے"

تسنیم "یہ تو مجھے خبر نہیں۔ کیوں۔ کیا اب ڈھونڈتے جاؤ گی"

نسیمہ "نہیں یونہی پوچھتی ہوں"

تسنیم "اسی سامنے والی مسجد میں شاید کہہ رہا تھا"

جب تسنیم سو گئی تو نسیمہ نے آکر قسیم کو جگانے کی کوشش کی۔ مگر جب وہ نہ اُٹھ سکا تو خیال آیا کہ میں اپنی وجہ سے اِن کو کیوں تکلیف دوں۔ ماما کا برقعہ سر پر ڈال باہر آئی اور مسجد کے دروازے پر پہنچی۔ دنیا عالم خواب میں تھی مگر وہ نو برس کی جان اپنے چار گز لٹھے کو بغل میں دبائے جاگ رہا تھا۔ نسیمہ کی آواز سُنتے ہی دوڑا ہوا دروازے پر آیا کنڈی کھولی تو نسیمہ نے کہا "میاں تم کپڑا لے کر میرے پاس گئے تھے وہ کیا کیا؟"

بچہ "یہ رہا کسی نے بھی نہ سیا۔ اب آپ ہی دیں گی؟"

نسیمہ کو بچے کے اس بھولپن پر ایسا پیار آیا کہ اُس نے جھک کر گلے لگا لیا۔ پیار کیا اور کہا "ہاں میاں لاؤ ابھی صبح تک تمھارے کپڑے تیار کر دوں گی۔ آؤ تم بھی میرے ساتھ آ جاؤ"

بچہ کو لے گھر آئی دونوں کپڑے کترے۔ آنکھ سے اچھی طرح سجھائی نہ دیتا تھا۔ مگر جس

طرح ہو سکا کرتہ پاجامہ تیار کیا۔ بچہ بھی برابر بیٹھا جاگتا رہا۔ دعا کا ختم ہو جاتا تھا تو پڑھ دیتا تھا۔ تیار کر چکی تو اس کا ہاتھ منہ دھلایا۔ کپڑے پہنائے۔ گود میں لیا۔ پیار کیا اور ایک پیسہ دیا۔

پانچ بج چکے تھے رات بھر کی جاگی۔ ذرا لیٹی تو آنکھ لگ گئی دیکھتی ہے تو وسیم اس کے کلیجے سے چمٹا ہوا ہے اور چاروں طرف سے پاک روحیں اس کی کامیابی پر مبارکباد دے رہی ہیں۔ اس خوشی میں آنکھ کھل گئی تو دل اندر سے باغ باغ تھا۔ مہینوں کی محنت وصول ہو گئی اب نسیمہ کو یقین ہو گیا کہ وسیم کے ملنے کا ذریعہ صرف خلق اللہ کی خدمت ہے۔

اس میں کلام نہیں کہ نسیمہ کی عمر کا یہ حصہ لاجواب گزرا۔ حالت میں آسمان زمین کا فرق تھا مگر وہ بخار جو آنکھوں کے ذریعہ سے نکل رہا تھا۔ ضبط کرتے ہی جسم پر نمودار ہو گیا۔ اکثر حرارت رہتی اور گو قسیم نے بیوی کے علاج میں کوئی دقیقہ و گذاشت نہ کیا۔ مگر نسیمہ کی حالت روز بروز ردّی ہو گئی آخر کار اس کو اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ مرنے سے تین روز پہلے اس نے تمام عزیز و اقارب سہیلیاں، بہنیلیاں شاگرد سب کو جمع کیا اور اُن کے سامنے کہا۔

"بہنو! میں نے آج تم کو سب کو تکلیف دی۔ مگر میں مجبور ہوں جی چاہتا تھا کہ ایک دفعہ تمہاری صورتیں اور دیکھ لوں۔ موت کی تمنا مذہباً درست نہیں مگر مجھے اپنی موت کا یقین ہے۔ اس لئے ضرور تھا کہ سب سے مل کر رخصت ہوتی۔ میں آج تک چوّن برس چار مہینے اٹھارہ دن اس دنیا میں رہی۔ یہ عرصہ کہنے کو بہت بڑا اور ظاہر میں خاصا بہت ہے۔ مگر انسان جو فانی دنیا کے جلوؤں پر مٹا ہوا ہے آنکھ بند کر کے گزار دیتا ہے۔ یہی حال آج میرا ہے۔ پچپن برس کے قریب زندہ رہی مگر جینے سے دل سیر نہ ہوا۔ وقت کافی زمانہ معقول اور عرصہ پورا ہے مگر ہر کام ادھورا اور ہر بات ناقص اور ہر معاملہ غیر مکمل چھوڑ رہی ہوں گویا نہ موت آنی تھی نہ مجھے جانا۔ بیکار آئی۔ بار دیگراں رہی۔ شرمسار مرتی ہوں اور گنہگار جاتی ہوں۔ اعمال کی بھلائی اور افعال کی کمائی میرے ساتھ ہوتی۔ مگر کچھ نہیں۔ ابتدائی

پانچ سال کا حال تو یاد نہیں۔ مگر جب سے ہوش سنبھالا ایک کام بھی ڈھنگ کا نہ کیا۔ پھوپی جان جیسی شفیق ماں کی خدمت جنھوں نے اپنی زندگی مجھ پر برباد کی مجھ سے خاک نہ ہو سکی کہنے کو جگ گزر گئے مگر نہیں مجھے وہ دن یاد ہیں جب میں ان کو سختی سے جواب دیتی تھی اور وہ خاموش ہو جاتی تھیں۔ آج یہ ہاتھ پاؤں جن پر گھمنڈ تھا بیکار ہیں۔ اور عمر جس پر ناز تھا ختم ہو گئی۔ مگر اس کی یادگار آج ندامت و پشیمانی میرے پاس ہیں اور اب رونے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اماں جان کی فضیحتیاں میں نے کیں۔ ابا جان کے حکم بارہا میں نے ٹالے۔ بہن بھائیوں پر شفقت مجھ سے نہ ہوئی بڑوں کی اطاعت میں نے نہ کی۔ آہ اے عمر گزشتہ اس کٹھن رستے میں جہاں ایک ایک قدم اٹھنا مصیبت ہی تو نے عذاب کا ایسا انبار سر پر رکھ دیا کہ کسی طرح ہلکا نہیں ہوتا ماما ئیں مجھ سے ناخوش۔ لونڈیاں مجھ سے نالاں۔ نوکر مجھ سے پریشان! یا رب العالمین! الامان الامان!

اس وقت نسیمہ کی ہچکی بندھی ہوئی تھی اور بیویوں میں سے کوئی بھی ایسی نہ تھی جو نہ رو رہی ہو۔ کچھ ضبط کیا اور پھر سلسلہ شروع کیا۔

"کل کی بات ہے کہ پھوپی جان نے مجھکو پالکی میں سوار کرایا۔ اس وقت بیسیوں عورتیں سفید بالوں والی مجھے رخصت کرنے میں شریک تھیں۔ آج وہ سب قبروں میں جا سوئیں اور میرا سارا سر سفید ہو گیا۔ یہ انقلاب قدم قدم پر مجھے موت کا سبق دے رہے تھے لیکن غفلت کی انتہا بے خبری کی حد کہ کبھی بھولے سے بھی موت کا خیال نہ آیا۔ پندرہ برس کی بیاہی آئی چالیس سال اس محلہ میں رہ چلی۔ مگر ایک کو بھی پوری طرح خوش نہ کر سکی اماں جان اللہ غریق رحمت کرے کون کہہ سکتا ہے کہ مجھ سے خوش گئیں یا رنجیدہ۔ رابعہ ھاجرہ دونوں نندیں میرے سپرد تھیں مگر ان کا حق خدمت کچھ بھی ادا نہ ہوا۔ بے موقعہ گھر کا بلا وجہ ڈانٹا۔ بے سبب خفا ہوئی خواہ مخواہ بگڑی۔ اب دیکھتی ہوں تو اس غصہ میں اصلاح کا خیال کم اور نفسانیت زیادہ تھی۔ مگر ان بچیوں کی سعادتمندی سے

اُمید ہے کہ مردہ بھاوج پر عذاب نہ ہونے دینگی اور عنداللہ میری غلطیوں کو معاف کردینگی"

نندیں یہ سنتے ہی چیخیں مار کر بھاوج کے قدموں پر گر پڑیں اور کہا۔

خدارا بھابی جان یہ نہ فرمایئے۔ آپ نے ہماری ماں کو ہمارے دل سے بھلا دیا۔ آپ نے ہمکو انسان بنایا ہم آپ ہی کی بدولت دنیا میں رہنے کے قابل ہوئے"

دونوں نندوں کو نسیمہ نے گلے لگایا اور پھر کہنا شروع کیا۔

"کنبہ کی ایک دو نہیں بیسیوں اللہ کی بندیاں میرے رحم کی مستحق تھیں۔ محلہ کی بہت سی مخلوق بھوکی سوئی اور میں نے پیٹ بھرے۔ مسافر میرے در سے خالی گئے۔ یتیم میری چوکھٹ سے ناکام پھرے رانڈوں نے اس بند ہونیوالی زبان سے جھڑکیاں سنیں۔ بڑی بوڑھیوں نے میرے طعنے سہے۔ نوکروں نے میرے غصے اٹھائے۔ ہائے اللہ گناہوں کی گٹھڑی اتنی بڑی۔ رحم۔ آقا رحم"

ایک متفقہ آواز نکلی "اے بیگم تیرے رونگیں رونگیں میں خدا جان دے۔ ہمکو بےکس نہ چھوڑ یتیموں کا باپ تو۔ رانڈوں کی وارث تو۔ اپاہجوں کا سہارا مفلسو کا گذارا، تو اے بیگم تو"

نسیمہ اس کے بعد کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔ مگر تکان زیادہ ہوئی۔ بخار شدت سے چڑھا اور بولنے کی ہمت نہ رہی۔ بیویوں نے اس کی بلائیں لیں بچوں نے اس کو دعائیں دیں۔ شام قریب تھی بیویاں روتی دھوتی اپنے گھروں کو سوار ہوگئیں۔ دوسرے دن بخار رات کو ۹ بجے کچھ ہلکا تھا۔ کہ نسیمہ نے قسیمہ کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔

"خوش نصیب ہوں میں بیوی کہ تمھارے ہاتھوں پیوند زمیں ہوتی ہوں جس چہرہ سے گھونٹ اُٹھایا تھا اُس کو اپنے ہاتھ سے خاک میں چھپا دینا۔ سیاہ بال تمھارے گھر میں سفید ہوئے اور جوانی تمھارے سامنے بڑھاپے سے بدل گئی۔ تم آقا تھے میں کنیز تھی۔ تمھارا رتبہ زیادہ اور حق بڑا تھا۔ مگر ہزاروں مرتبہ بگڑی ہوں اور بڑا

بھلا کہاں ہے۔ آج اپنے بچوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہتی ہوں۔ اپنی عنایت سے اس کو معاف کر دینا تاکہ خدا کے حضور میں گنہگار نہ ہوں۔"

قسیم بیوی کی زبان سے اتنا سنتے ہی بیتاب ہو گیا۔ روتا ہوا اٹھا اس کے ہاتھ اپنی آنکھ سے لگائے اور کہا۔

"تم جیسی بیوی دنیا چراغ لے کر ڈھونڈے تو نہ ملے گی۔ تم نے وہ کیا کہ میرا دل تم کو دعائیں دے رہا ہے۔ تم نے پچاس روپے کی نوکری سے صدر الصدور بنا دیا اور جس گھر میں کتے لوٹتے تھے تمہارے دم سے آج گلزار بنا ہوا ہے۔ میرا منہ نہیں کہ تمہارا شکریہ ادا کر سکوں۔ ہاں میں تم سے نادم ہوں اور اس خیال سے جو پلو کی میں نے کیا۔ میری روح کانپ رہی ہے۔

نسیمہ بیگم اپنے بچوں کا صدقہ، مرے ہوئے وسیمہ کا صدقہ، مجھے بخشدے۔"

نسیمہ نے شوہر کا ہاتھ سر پر رکھا اپنے ہاتھوں سے آنسو پوچھے اور کہا۔

"خدائے برحق تم کو معاف کرے، میں پہلے ہی معاف کر چکی ہوں۔ اب پھر کہتی ہوں میں نے معاف کیا۔ اب میں تم سے اس قدر اور کہتی ہوں کہ اگر میرے بعد ضرورت تم کو دوسرے نکاح پر مجبور کرے تو بیشک کر لینا میں منع نہیں کرتی لیکن دو معصوم بچیاں تمہاری محتاج چھوڑتی ہوں۔ لڑکے سیانے ہیں اور رکھا نا دھن۔ مگر بھولی چڑیاں سوتیلی ماں کے قبضہ میں نہ جائیں۔ نسیم ان کی پرورش کرے گی۔ ماں کا کچھوا چھوٹی کے بعد تسنیم سے بہتر رفیق ان کا کون ہوگا۔ وہ دشمنی بہ اُن کی دوستا اور بدخواہی میں اُن کی بہترین خیر خواہ ہوگی۔ تمہاری تنخواہ میں سے جو کچھ بچ کر آج تک جمع ہوا ہے وہ یہ دس ہزار کے نوٹ ہیں جو ان دونوں کی شادی کے واسطے محفوظ تھے اور اب تمہارے سپرد کرتی ہوں۔ بچے کو ہشیار ہیں مگر میرے بعد دیوار سے سر پھوڑیں گے ان کو کلیجہ سے لگا کر رکھنا۔ اگر میدان حشر میں ملاقات

ہوتی ہے تو اپنے بچّوں کے دُکھ کا مواخذہ ضروری کروں گی۔"

بخار تیز ہوا اور بارہ بجے تک سو درجے سے کچھ زیادہ تھا۔ نسیمہ ماں کے پاؤں سے اور قسیمہ بیوی کے ہاتھ سے آنکھیں مل رہا تھا کہ نسیمہ خاموش ہو گئی۔ صبح کے وقت جب قسیمہ بالکل ہی نا اُمید ہو گیا تو ایک چمچہ شربت لے کر بیوی کے پاس آیا۔ اس وقت نسیمہ نے اُس کے آگے ہاتھ جوڑے آنکھوں سے قصور کی معافی چاہی، قسیم شربت دینا چاہتا تھا کہ اس نے شوہر کا ہاتھ ہٹا دیا اور یہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔

دیکھو..... میرے لال کی روح..... میرے استقبال کو آئی.....

وسیم..... ہاتھ پھیلائے..... مجھے گود میں لینے..... کھڑا ہے

خاتم شد

شامِ زندگی

خدا غریق رحمت کرے حضرت علامہ راشد الخیریؒ نے یہ کتاب فروری ۱۹۱۶ء میں صرف بیس روز میں لکھی تھی اور نو ماہ یعنی نومبر ۱۹۱۶ء تک ہاتھوں ہاتھ تین اڈیشن نکل گئے تھے اگرچہ پہلے بھی بہت سے درد انگیز افسانے اور مضامین شائع ہو چکے تھے مگر مصنف کو قوم سے مصور غم کا خطاب اسی کتاب نے دلوایا حضرت علامہ مغفور کی زندگی میں شامِ زندگی سترہ مرتبہ شائع ہوئی تھی۔

رازق الخیری

انتباہ و اطلاع

شامِ زندگی کا دائمی حق اشاعت میرے نام محفوظ ہے۔ براہِ کرم کوئی صاحب اس کے کل یا جزکو شائع نہ فرمائیں ورنہ اخلاقی ہی نہیں قانونی جرم کے بھی مرتکب ہوں گے اور انھیں بہت برا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ ہاں تاجرانِ کتب جس قدر جلدیں چاہیں۔ دفتر عصمت سے طلب فرما سکتے ہیں معقول کمیشن دیا جائے گا۔

رازق الخیری

(مطبوعہ محبوب المطابع دہلی)

ہندوستان بھر کے تمام زنانہ اخبارات و رسائل میں
سب سے اچھا اور سب سے زیادہ مقبول و مشہور باتصویر ماہوار
رسالہ تہائی صدی سے شائع ہو رہا ہے عصمت ہندوستان
کے مشہور ادیبوں اور ملک کی بہترین لکھنے والی خواتین
کے اعلیٰ درجہ کے مضامین ۸۰ صفحوں پر ہر ماہ
شائع کرتا ہے عصمت ہی وہ پرچہ ہے جو
صوری و معنوی خوبیوں کے لحاظ سے شریف
بیگمات کے لئے ہندوستان کا چوٹی کا
رسالہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

سالانہ چندہ چار روپیہ (للعمر)

ہندوستان بھر میں زنانہ دستکاری کا واحد ماہوار
رسالہ جو ۱۹۳۴ء سے کامیابی کے ساتھ جاری ہے
جس میں کشیدہ۔ کروشیا۔ جالی۔ تارکشی۔ ننگ کاٹ
کینوس۔ کراس اسٹیچ۔ سلمہ ستارہ۔ ربن پچی۔ کنا اور کپڑوں
کی سلائی۔ کٹائی وغیرہ وغیرہ مختلف قسم کی زنانہ دستکاریوں
کے عمدہ عمدہ نمونے اور مفصل ترکیبیں اور کارآمد ہدایتیں
شائع ہوتی ہیں۔ جوہر نسواں کے مضامین پھوہڑ لڑکیوں
کو بھی سگھڑ اور ہنرمند بنا دیتے ہیں۔ جوہر نسواں کی قلمی معاونین
ہندوستان کی مشہور دستکار خواتین ہیں۔ سال میں دو خاص
نمبر شائع ہوتے ہیں۔ سالانہ چندہ تین روپیہ نمونہ ۴ر

حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ نے ۱۹۲۶ء
میں یہ ماہوار رسالہ بچیوں کے لئے جاری فرمایا تھا
عصمت کی طرح بنات بھی پابندی وقت رسالہ ہے
بچیوں کے لئے بہترین مضامین سبق آموز نظمیں مزیدار
کہانیاں۔ دلچسپ کھیل معمے وغیرہ نہایت آسان
زبان میں شائع کرتا ہے۔ ہندوستان کے مختلف
صوبوں کے محکمہائے تعلیم نے بچیوں اور بچوں
کے مدرسوں کے لئے منظور کیا ہے۔

سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ جو بذریعہ منی آرڈر
بھیجا جائے۔ بذریعہ وی پی عہ